یا اسفی!

یادِ رفتگاں

تعزیتی اداریے اور شذرے

رشحاتِ قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

یا اسفی!

یادِ رفتگاں

تعزیتی اداریے اور شذرے

رشحاتِ قلم

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

کتاب کا نام: .... یادِ رفتگاں

ازقلم: .... محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

ناشر: .... مکتبہ بینات

صفحات: 215

سنِ اشاعت: .... 1441ھ / 2020ء

Tel: 92-21-34927233 - 34913570-34123366-34121152 Ex. 146-147
E-mail: bayyinat@banuri.edu.pk
www.banuri.edu.pk

كل من عليها فان
ويبقى وجه ربك ذو الجلال والإكرام

پیشِ لفظ

جامعہ کے بانی ومدیر، والد بزرگوار، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ (م۱۳۹۷ھ) نے جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ/ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں جامعہ کے شعبہ نشرواشاعت میں ایک اہم اور مستقل سلسلے کا اجراء فرمایا، قرآن وسنت کی علمبرداری اور ترجمانی کے شعار کے ساتھ ''ماہنامہ بینات کراچی''، علمی، تحقیقی، فکری اور ادبی مجلّے کے طور پر دنیائے صحافت میں نمودار ہوا، اور الحمدللہ علمی وقلمی دنیا میں خوب پذیرائی سمیٹی۔

''ماہنامہ بینات'' میں ''بصائر وعبر'' کے ادارتی عنوان کے علاوہ ''دارالافتاء''، ''نقد ونظر'' اور ''یادرفتگاں'' تقریباً مستقل عنوانات رہے، ''یادرفتگاں'' کے تحت مختلف شخصیات کے سفر آخرت پر ان کی حیات وخدمات کا تذکرہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے قلم سے شامل ہوتا رہا۔ بسا اوقات آپ شخصیات کا ذکر ''یادِرفتگاں'' کے بجائے اداریہ ''بصائر وعبر'' میں ''وفیات'' کے عنوان کے تحت ہی لکھ دیتے تھے۔

چنانچہ جمادی الاخری ۱۳۸۴ھ مطابق نومبر ۱۹۶۴ء کو آپ نے ماہنامہ بینات میں یہ سلسلہ شروع فرمایا اور پھر آپ کے وصال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ وقتاً فوقتاً مختلف دینی، سیاسی اور بین الاقوامی شخصیات سے متعلق آپ اپنے تاثرات اور تعزیتی کلمات لکھتے رہے۔

آپ کی ان تمام تحریرات (بشمول بصائر وعبر، علمی مقالات ووفیات) کو آپ کے تلمیذ خاص حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ نے تین ابواب (۱) مقالات علمیہ (۲) حالاتِ حاضرہ (۳) وفیات میں تقسیم کرکے مرتب کیا اور یہ حسین گلدستہ ''بصائر وعبر'' کے نام سے دوجلدوں میں ادارۂ بینات سے شائع ہوچکا ہے۔

’’وفیات‘‘(دنیا سے رحلت فرمانے والی شخصیات سے متعلق تحریرات) چونکہ ایک مستقل موضوع تھا، اوراس موضوع سے متعلق تحریرات بیسیوں صفحات پر مشتمل تھیں، اس لیے اسے مستقل کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ نیز حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے بعض مضامین ماہنامہ’’بینات‘‘ کے اجراء سے قبل پاک و ہند کے مختلف رسائل میں تحریر فرمائے تھے، وہ مضامین بھی ہمیں مختلف حضرات کی کوششوں سے موصول ہوتے رہے اور وقتاً فوقتاً بینات میں قندمکرر کے طور پر شائع ہوتے رہے۔ ان مضامین میں سے ایک مضمون شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، دوسرا مضمون امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی ذات سے متعلق تھا جو ماہنامہ’’نقیب ختم نبوت‘‘ میں شائع ہوا تھا، اور تیسرا مضمون آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید زکریا بنوریؒ کی شخصیت سے متعلق ہے، جو پہلے ایک مستقل کتابچہ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے، یہ تینوں مضامین بھی اس مجموعہ کی زینت ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو حضرت والد صاحبؒ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اوران نفوس قدسیہ کے تذکرہ کو ہماری رہبری کا ذریعہ بنائے اور ہمیں اپنے اسلاف واکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

سید سلیمان یوسف بنوری

رجب المرجب/۱۴۴۱ھ

مارچ ۲۰۲۰ء

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
پیشِ لفظ	۵
دین وعلم دین مدرسہ وخانقاہ کا حادثۂ کبریٰ (شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)	۱۳
ہندوستان میں خطابت کے ائمہ اربعہ اور امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام	۱۹
مولانا مفتی محمد صادق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ	۲۴
مولانا سید اظہار الحق سہیل عباسی امروہی رحمۃ اللہ علیہ	۲۵
الحاج خواجہ ناظم الدین رحمۃ اللہ علیہ	۲۶
مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ	۲۷
مولانا عبد الرحمن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ	۳۱
مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ	۳۶
مولانا عبد الحنان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ	۳۸
مولانا عبد الخالق رحمۃ اللہ علیہ	۳۹
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی والدۂ ماجدہ کی وفات کا حادثہ	۴۰
مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ	۴۲

مولانا جان محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ	۴۳
مولانا شیر محمد سندھی رحمۃ اللہ علیہ	۴۴
مولانا احمد حسن چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ	۴۶
مولانا محمد اسماعیل چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ	۴۷
مولانا تاج الاسلام رحمۃ اللہ علیہ	۴۸
اہلیہ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہا	۴۹
حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ	۵۰
مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ	۵۲
مولانا سید حمید الدین فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ	۵۳
مولانا شمس الحق فرید پوری رحمۃ اللہ علیہ	۵۵
مولانا نصیر الدین غور غشتی رحمۃ اللہ علیہ	۵۶
حاجی محمد یعقوب کالیہ رحمۃ اللہ علیہ	۵۸
مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ	۶۰
مولانا عبد الغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ	۶۲
حضرت مولانا محمد مبین خطیب رحمۃ اللہ علیہ	۶۵
مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ	۶۶
مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ	۶۷
عالم آخرت کے دو مسافر: مولانا سید محمد طلحہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبد الشکور کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ	۶۹

مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ	۷۲
مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ	۷۹
مولانا خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ	۸۱
مولانا سید محمود احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ	۸۲
مولانا محمد عثمان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ	۸۳
شیخ محمد نصیف رحمۃ اللہ علیہ	۸۵
مولانا محمد رسول خاں ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ	۸۷
مولانا حکیم سید عبدالجبار حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ	۸۹
مولانا عرض محمد بلوچستانی رحمۃ اللہ علیہ	۹۰
مولانا محمد خلیل انگوی رحمۃ اللہ علیہ	۹۱
مولانا حافظ حکیم عبدالمجید لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ	۹۲
مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ	۹۵
وفات اہلیہ محترمہ حضرت مولانا بنوری رحمہما اللہ	۹۷
مولانا حبیب اللہ گمانی رحمۃ اللہ علیہ	۹۹
مولانا عبدالعزیز ساہیوال والے رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۱
مولانا عبدالجبار ابوہر منڈی والے رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۲
سید جلیل الرحمن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۳
مولانا قاضی عبدالرب رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۵

مولانا حافظ حبیب اللہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۶
مولانا عبدالرحیم اشرفی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۷
حاجی ابراہیم میاں سملکی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۸
آغا عثمان جان مجددی رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۱
مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۱
مولانا پیر خورشید احمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۲
حافظ ابوالحسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۲
حاجی حبیب احمد پاکولا والے رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۳
مولانا گل بادشاہ طوروی رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۴
مولانا عبدالحق نافع رحمۃ اللہ علیہ	۱۱۶
حزینہ (اشعار بروفات مولانا عبدالحق نافع رحمۃ اللہ علیہ)	۱۲۲
مولانا عبدالمنان میواتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۳
حاجی علی محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۵
الشیخ محمد ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۷
مولانا سید شمس الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ	۱۲۹
مولانا عبدالرحمن جالندھری رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۱
مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۴
مولانا خیر محمد بہاولپوری مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۶

مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۳۸
مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۳
مولانا محمد یوسف عباسی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۷
مولانا محمد زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۹
سیدہ فاطمہ بنوریہ رحمۃ اللہ علیہا	۱۵۱
الفقید الراحل جلالۃ الملك شاہ فیصل شہید رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۵
مولانا عبدالودود مردانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۸
آہ! علامہ ابوالوفا قندھاری رحمۃ اللہ علیہ	۱۵۹
قاری محمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۶۶
مولانا ابواحمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۶۷
مولانا فاروق احمد بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۶۹
مولانا گل محمد سکھروی رحمۃ اللہ علیہ	۱۷۰
مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۷۲
مولانا سید مہدی حسن شاہ جہان پوری رحمۃ اللہ علیہ	۱۷۵
حالاتِ محدث شاہجہانپوری	۱۷۸
مکتوب منظوم	۱۸۳
مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ	۱۸۴
مولانا اطہر علی بنگالی رحمۃ اللہ علیہ	۱۹۰

نواب محمد مسعود علی رحمۃ اللہ علیہ	۱۹۲
مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۹۴
مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ	۱۹۶
حکیم عبدالسلام صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ	۱۹۷
مولانا سید محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد حضرت بنوریؒ)	۱۹۹

دین وعلم دین مدرسہ وخانقاہ کا حادثۂ کبریٰ

العارف باللہ، مجاہد امت، محدثِ وقت شیخ العصر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مقدسہ کے اتنے مختلف گوشے ہیں کہ ہر ایک گوشہ مستقل مضمون ومقالہ کا محتاج ہے اور باوجود اس کے نہ حق ادا ہوگا، نہ آئندہ نسلیں اس کا یقین کرسکتی ہیں کہ واقعی اس پُرفتن دور میں کوئی ایسی فوق العادہ ہستی تھی۔ مسلمانوں کے زوال وادبار کے دور میں اخلاق کی پستی کے عہد میں اخلاص کے فقدان کے زمانہ میں ایسی محیر العقول جامع کمالات شخصیت کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔ شاعری اور مبالغہ آمیزی کے دور میں حقائق وواقعات کی صحیح ترجمانی بے حد مشکل ہے۔ عام طور سے یہ ایک عادت بن گئی کہ مضمون نگار اس انداز سے قلم اُٹھاتا ہے کہ پڑھنے والا سب سے پہلے صاحب مضمون کے کمالِ فصاحت وبلاغت کا معترف ہو اور سب سے پہلے وہ خراجِ تحسین حاصل کرے۔ ظاہر ہے کہ شاعری کے اس دور میں کسی حقیقت کے چہرہ سے نقاب کشائی کیسی ہوسکتی ہے۔ غیر ذمہ دارانہ مبالغہ آمیزیوں سے اس دور میں حقائق اتنے مشتبہ ہوگئے ہیں کہ حقیقت کی سراغ رسانی اس زمانہ کے مقالات وتاریخوں میں عنقا ہوگئی ہے۔ اس زمانہ کی تاریخ کیا ہے۔ مصنف کے مخصوص زاویۂ نگاہ سے ایک حقیقت کے چہرہ پر مبالغہ آمیزی کا ایک اتنا انبار لگ

جاتا ہے کہ اس کا ہٹانا اور واقعیت تک پہنچنا ہر شخص کا کام نہیں۔ حضرت کے سوانح نگار بہت کچھ لکھیں گے اور عقیدت مند بہت کچھ لکھ چکے ہیں، لیکن جو کمال کسی کو خود حاصل نہ ہو، اس کا صحیح ادراک کیونکر ہوگا۔ اور جب خود حقیقت تک رسائی نہ ہو اوروں کو کیا سمجھا جائے گا، مثلاً حضرت مرحومؒ کی باطنی نسبت اور تعلق مع اللہ کی کیفیت جسے خود یہ سعادت اس درجہ کی حاصل نہ ہو اس کی ترجمانی کیا کرے گا۔ محمد بن یحییٰ نیشاپوری کا مقولہ: ''لا یعرف قدر الغزالی، من جاء بعد الغزالی''

اور صاحب طبقاتِ شافعیہ تاج الدین سبکی نے اس پر اضافہ کیا ہے: ''إلا أن يكون مثل الغزالي أو فوق الغزالي'' اسی حکیمانہ مقولہ کی روشنی میں بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرتؒ کا ادراکِ نسبت و ادراکِ کمالاتِ حقیقت نہ ہم جیسے عقیدت مندوں کا منصب ہے، نہ مریدین و تلامذہ کے دائرہ علم میں ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باطنی نسبت کا حق تو حضرت قطب حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو یا حضرت قطب عصر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو پہنچتا ہے کہ وہ بیان فرماتے۔ مولانا شبلی مرحوم نے مولانا روم کے سوانح حیات میں جب ان کے باطنی کمالات وتصوف ومعرفت پر لکھنے کا ارادہ کیا تو صاف اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ: ''میں اس کوچہ سے بالکل نابلد ہوں'' انبیاء کے حقائق وکمالات کا ادراک اولیاء نہیں کر سکتے، اولیاء کے مدارج کا انکشاف غیر اولیاء کو نہیں ہوسکتا۔ ہم کچھ بھی لکھیں، نہ حقیقت تک رسائی، نہ حق ادا ہونے کا امکان:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

قدرت نے حضرت علیہ الرحمۃ میں ایسے مختلف الانواع کمالات رکھے تھے اور ایسے اضداد جمع کیے تھے کہ حقیقت افسانہ معلوم ہوتی ہے، اس پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا، اب سے ٹھیک بیس برس قبل جامعہ ازہر قاہرہ کی طرف سے علماء ازہر کا ایک وفد ہندوستان کے علمی اداروں کے معائنہ اور علمی روابط پیدا کرنے آیا تھا۔ وفد کے رئیس الشیخ ابراہیم الجبالی تھے جو ممتاز عالم تھے

اورنہایت ذکی اور بے مثل خطیب تھے۔شیخ جبالی اپنے رفقاءالاستاذ عبدالوہاب النجاراورالشیخ احمد العددی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند بھی پہنچے، یہ وہ دورتھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم کے صدر تھے اورحضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ ایک ماہ کی رخصت پر تھے اور ہندوستان کا دورہ کررہے تھے۔اس زمانہ میں سیاسی معرکہ آرائی کا بازارگرم تھا۔مسلم لیگ کا عروج شروع ہوگیا تھااورمسلم لیگ کی مخالفت یانہ موافقت کفر سے کم جرم نہ تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا عثمانیؒ نے ان کے شایانِ شان استقبال کیا۔ حضرت مولانا مدنیؒ کوبھی اپنا دورہ ملتوی کرنے کے لیے تار دیا کہ وہ تشریف لائیں،لیکن حضرت نے اپنے دورہ کوجاری رکھنا ضروری سمجھا۔اورحاضری کے لیےمعذرت پیش کی،اس وجہ سے شیخ جبالی مرحوم کی ملاقات حضرت علیہ الرحمۃ سے نہ ہوسکی۔میں اس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تھااوراسی زمانہ میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے بمعیت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری ایک علمی خدمت کے سلسلہ میں مصر کا سفر پیش آیا،قاہرہ پہنچے تو شیخ جبالی سے ملاقات ہوئی، بے حد اکرام سے پیش آئے اور پُرتکلف دعوتِ طعام سے تواضع کی،ملاقات کےدوران میں نے چند مشاہیر کے بارے میں ان کی رائے دریافت کی اور پھر حضرت مولانا مدنیؒ کے بارے میں دریافت کیا کہ حضرت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا کہ: میری ملاقات خود براہِ راست موصوف سے نہ ہوسکی،تاکہ میں خودکوئی رائے قائم کرتا،لیکن ان کے مخالفین اوران کے معتقدین دونوں سے ایسے متضاد بیان سنے ہیں کہ ان بیانات کے پیش نظر یہ رائے قائم کی ہے: ’’هُوَ إِمَّا مَلَكٌ وَإِمَّا شَيْطَانٌ‘‘ پھر فرمایا کہ:تم فیصلہ کروکہ دونوں میں کون سا فیصلہ صحیح ہے؟ میں نے عرض کیا:’’نعم هو ملك‘‘(جی ہاں وہ فرشتہ تھے)اس تنقید وتبصرہ کی حقیقت سمجھانے کے لیے مجھے امامِ حدیث ابوعمر ابن عبدالبر مالکی قرطبی کی ایک بات یاد آئی۔حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ نے

ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ، مالک، الشافعی کے مناقب وحالات میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے: ’’الانتفاء فی الأئمة الثلاثة الفقهاء‘‘ فرماتے ہیں کہ: کسی انسان کے باکمال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے موافق ومخالف دونوں انتہاء تک پہنچیں، فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ کی مثال حضرت علیؓ جیسی ہے: ’’هلك فيه رجلان مُحِبٌّ مُفْرِطٌ ومُبْغِضٌ مُفَرِّطٌ‘‘ جن میں دونوں گروہ ہلاک ہوئے، یعنی حق سے بعید ہوئے محبت میں غلو کرنے والے (جیسے شیعہ) اور بغض میں انتہاء تک پہنچنے والے (جیسے خوارج) اس تاریخی حقیقت کے پیشِ نظر حضرت علیہ الرحمۃ کی جامعیت وکمالات کے پیشِ نظر یہ مختصر وبلیغ جملہ رہنمائی کرتا ہے، اس لیے میں جب حضرت علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی کا تصور کرتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ کیا لکھوں، نہ دماغ وادراک کی اتنی بساط ہے، نہ قلم میں اتنا زور ہے، نہ فرصت میں اتنی گنجائش ہے، وہ کیا تھے، انسانیت کے زوال کے دور میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا نمونہ تھے، وہ کیا تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی جو ہم سے چھن گئی، وہ علم وتقوی واخلاق کے ایک پیکر تھے جن کی نظیر صدیوں میں پیدا ہوتی ہے، خانقاہ مدرسہ وسیاسی کمالات کے دوآبہ نہیں سہ آبہ تھے، جن کی شان قرونِ متأخرہ میں دنیا کے کسی گوشے میں ڈھونڈھنے میں بھی نہیں ملتی۔ حضرت مولانا محمد عزیر صاحب (عزیر گل) کو میں نے نامۂ تعزیت لکھا تھا۔ رفقاء مالٹا سب سے زیادہ تعزیت کے مستحق تھے، موصوف نے جو جواب لکھا ہے اس کے چند کلمات نقل کرتا ہوں، جو اختصار کے ساتھ نہایت جامع وبلیغ ہیں، فرماتے ہیں:

> ’’مرحوم کے اوصاف ذکر کرکے صبر کو متزلزل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مرحوم کیا تھے، اُسی کے بنائے ہوئے تھے اور رحمت تھے، اب دیکھئے پس ماندگان کے لیے کیا بندوبست ہوتا ہے، وہ قادر ہے سب کچھ کرسکتا ہے۔ دین کے ہر شعبہ میں خلا واقع ہوگیا۔‘‘

دارالعلوم دیوبند میں ایک مرتبہ طلبہ بستی والوں میں فساد کی صورت پیدا ہوگئی۔ طلبہ مظلوم تھے، اس لیے ان کو انتقام کی فکر تھی، جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ان پر قابو پانا طاقت سے باہر تھا۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں اساتذہ وطلبہ کا ایک اجتماع ہوا، اس موقع پر حضرت نے ایک تقریر فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ حضرت صرف خطابت کی حیثیت سے ایسے ممتاز خطیب نہ تھے کہ صرف زورِ خطابت سے مجمع پر قابو پاتے، لیکن قدرت نے جو روحانی طاقت دی تھی ایسے موقع پر جو اس کا ظہور ہوا اور جس مؤثر انداز میں تقریر فرمائی، آج پندرہ سال بعد بھی اس کی آواز میری سامعہ میں گونج رہی ہے۔ موضوعِ تقریر یہ تھا کہ مظلوم بننا کتنا مفید ہے اور انتقام اگرچہ برحق ہو اس حق کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ کی کن رحمتوں کا ذریعہ بنتا ہے، میں نے دسیوں تقریریں حضرتؒ کی سنی تھیں، لیکن زندگی میں پہلی مرتبہ مشکل ترین وقت میں جہاں لوگوں کے حوصلے ختم ہو چکے تھے، ایسی مؤثر ترین فرمائی، ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آگ پر آسمان سے پانی برس رہا ہے۔ ایک گھنٹہ کی تقریر میں سارے مشتعل جذبات ایسے سرد پڑ گئے کہ گویا ایک شیطانی طلسم تھا، فرشتوں کے ظہور سے ایک آن میں ٹوٹ گیا، ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علیہ الرحمۃ کی تقریر کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ: ”بھائیو! اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں، میرے علم میں بسیطِ ارض پر شریعت وطریقت وحقیقت کا حضرت مولانا مدنی سے بڑا کوئی عالم موجود نہیں“ غالباً الفاظ یہی تھے یا اس کے قریب۔ جب وقت کے بڑے محقق واہل کمال حضرت علیہ الرحمۃ کو اپنی خصوصیات وکمالات میں آیۃ من آیات اللہ اور حجۃ اللہ علی الخلق سمجھتے تھے۔ میری بساط ہی کیا ہے کہ کچھ کہا جا سکے۔ بہر حال اتنا کہہ سکتا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند کی مسندِ صدارت پر تقریباً ایک صدی سے جس قوی النسبۃ عارفین محدث جلوہ افروز تھے، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ اس کی آخری شخصیت تھے۔ اکابرِ دیوبند کے قافلے کے آخری مسافر

تھے جو دنیا سے چل بسے۔ اِنا للہ! حضرت کا وجود ہندوستان کے اہل علم اور اہل اسلام کے لیے عالم اسباب میں آخری سہارا تھا جو نہیں رہا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اگر چلے گئے تو شاہ عبدالعزیزؒ و شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ جیسے خلف چھوڑ گئے۔ اگر حضرت مولانا قاسم صاحب گئے تو حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ جیسی ہستیاں جگہ پُر کرنے کے لیے زندہ تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ گئے تو حضرت تھانویؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت مولانا انور شاہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب جیسے حضرات جانشین موجود تھے، لیکن آہ حضرت مدنی علیہ الرحمۃ ایسی حالت میں اُمت کو چھوڑ گئے کہ ان کے کمالات میں کسی ایک کمال میں ان کا کسی درجہ میں جانشین نظر نہیں آتا۔ یہی وہ چیز ہے جو امت اسلامیہ کے لیے صبر آزما حالت ہے۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو حجاج نے جب شہید کیا تھا تو خواب میں حجاج کو کسی نے دیکھا تھا، کہا کہ ہر شہید کے قتل کے عوض مجھے ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا، لیکن سعید بن جبیر کے قتل پر مجھے ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے سوال کیا کہ حجاج نے تو صحابہؓ کو بھی قتل کیا تھا اور سعید بن جبیرؒ تو تابعی تھے؟ یعنی اس فضیلت کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ: حجاج نے سعید بن جبیر کو ایسے زمانہ میں قتل کیا کہ روئے زمین پر ایسا کوئی نہ تھا جو سعید بن جبیرؒ کے علم کا محتاج نہ ہو۔ درحقیقت ہندوستان کے مسلمان اور اہل علم خانقاہ و مدرسہ والے آج یتیم ہو گئے، فإنا للہ وإنا إلیہ راجعون، اللّٰھم اغفر لہ، اللّٰھم ارحمہ، اللّٰھم ارفع درجاتہ، آمین!

ہندوستان میں خطابت کے ائمہ اربعہ اور

امیرِ شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

ہندوستان کی اِس سرزمین میں ایک ہی عصر میں ایسے چار خطیب جمع ہو گئے تھے جن میں سے ایک کی بھی نظیر عالمِ اسلام میں نہیں تھی اور ظاہر ہے کہ جب عالمِ اسلام میں نظیر نہ تھی تو غیر اسلامی دنیا میں کہاں سے نظیر ملے گی؟ جوہرِ خطابت جس انشراحِ صدر کا محتاج ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ حصہ غیر مسلموں کو نصیب ہی نہیں فرمایا۔ مسلمان کے سینہ میں جو فیضانِ الٰہی ہوتا ہے کافر کے سینہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ مسلمان کا دل و دماغ جس جذبے سے سرشار ہوتا ہے کافر اس نعمت سے محروم ہے۔ مسلمان کے دل میں عواطف و جذبات کا جو سمندر متلاطم ہوتا ہے غیر اسلامی دل اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسلامی روح جس منبعِ قدس سے سیرابی حاصل کرتی ہے کافر کی روح کی تشنہ لبی کو اس سے کیا نسبت!

پہلے خطیب مولانا ابوالکلام آزادؒ، دوسرے خطیب مولانا احمد سعید دہلویؒ، تیسرے خطیب مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور چوتھے خطیب مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے۔ میرے خیال میں یہ ایک عصر کی خطابت کے ائمہ اربعہ تھے۔ ایک دفعہ ضلع سورت کے ایک گاؤں میں حضرت مولانا العارف حسین احمد کے ساتھ رفاقت کی سعادت نصیب ہوئی، تنہائی میں اس موضوع کا ذکر

آ گیا، اتفاق کی بات ہے جو میرا خیال تھا حضرت رحمہ اللہ نے بعینہٖ اسی طرح فرمایا، بہرحال مجھے اپنی اصابتِ رائے پر خوشی ہوئی، پھر فرمایا کہ اب مولانا حفظ الرحمن صاحب بھی قریب قریب ان کے ہو رہے ہیں، اب میں مزید اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا قاری طیب صاحب بھی اس صف کے قریب آ رہے ہیں۔ میرے ذہن میں ان چاروں خطیبوں کی خطابت کی خصوصیات ہیں جو نہایت دلچسپ ہیں اور دقیق بھی ہیں، افسوس کہ اس وقت ان کی تفصیلات کی نہ ہمت ہے نہ وقت، لطف تو اس وقت آتا کہ پورا موازنہ و مقارنہ واقعات ہوسکتا۔ اب تو چند نامعلوم اشارے شاہ جیؒ سے متعلق عرض کرتا ہوں۔

خطابت اور خصوصاً عوام کو مسحور کرنے کا جہاں تک تعلق ہے، اس موضوع کی جتنی صلاحیتیں ہوسکتی ہیں قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ حضرت شاہ جیؒ کو عطا فرمائی تھیں۔ قدو قامت، شکل وصورت، قوت و طاقت، شجاعت و جرأت، فراست وتدبر، غیرت وحمیت، ذکاوت و شدتِ احساس، رقتِ عواطف و جذبات کا تلاطم، بلندیِ آواز وخوش گلوئی، قرآن کریم کے ساتھ قلبی تعلق اور استحضار، منتخب ترین فارسی، اردو اشعار و ہر موضوع پر عمدہ ذخیرہ کا استحضار، دردناک اور فلک شگاف آواز کے ساتھ قرآن کریم کا پڑھنا، مخالفین کے مجمع پر قبضہ کرنا، عالم و جاہل، مرد و عورت، مخالف وموافق، سب کا یکساں طور پر متاثر ہونا، یہ ان کی وہ خصوصیات ہیں کہ ان میں کوئی ہمسری نہیں کرسکتا۔

مجمع کو رُلانا، تڑپانا، ہنسانا ان کی خطابت کا ادنیٰ کرشمہ تھا، مجمع سے اپنی بات منوانا، ننانوے فیصد مخالفوں کو اپنا ہم خیال بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بعض اوقات تو بولنے سے پہلے ساحرانہ نگاہ ہی سے مجمع کو مسخر کر لیتے تھے۔ نگاہ کیا تھی غضب کی نگاہ تھی، آواز تھی یا بجلی کوندتی تھی۔ اتنا کامیاب ترین خطیب کسی نے سنا ہوگا نہ دیکھا ہوگا۔ عقلی وفکری خصوصیات کی کامیاب

ترین تمثیل اوراپنے موضوع واطوار سے وہ نقشہ کھینچتے تھے کہ دنیا کا کوئی خطیب ان کی نقالی نہیں کرسکتا تھا۔ ہندوستان کی سرزمین میں یہ وہ واحد خطیب تھے جس نے اپنی خداداد ساحرانہ قوتِ خطابت سے دنیاوسیاست کی وہ خدمت کی جوایک پوری قوم نہیں کرسکتی۔تنہاان کی شخصیت نے وہ کام کیا جوایک صدی میں ایک ادارے کوکرنا چاہیے تھا۔یہ شخص کسی اورقوم میں ہوتا تو نہ معلوم اس کی کیا یادگاریں قائم ہوتیں،لیکن مسلمان قوم اپنی زندگی ختم کرچکی ہے۔اس ختم شدہ دور میں یہ حیرت انگیز خطیب آئے،ورنہ تاریخ کے کسی بہترین دور میں پیدا ہوتے تونقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

مولانا انورشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امیرشریعت رحمۃ اللہ علیہ کی نظرمیں

قدرت نے فوق العادت زبان کی شیرینی، بیان کی روانی اورفوق العادت مؤثرتعبیر کی قوت عطافرمائی،بعض اوقات ایک جملہ میں پوری پوری داستان ختم کردیتے تھے،ایک دفعہ جامع ڈابھیل تشریف لائے، اساتذۂ جامعہ مروتی اسٹیشن پراستقبال کے لیے گئے، لاری میں آرہے تھے، میں نے کہا: شاہ جی! آج توحضرت شیخ پرایک تقریر کردیجئے (یعنی حضرت مولانا انورشاہ صاحبؒ پر) فوراًفرمایا:’’بھائی یوسف! کیا کہوں! صحابہؓ کا قافلہ جارہا تھا،انورشاہ صاحبؒ پیچھے رہ گئے۔‘‘ بے اختیار میں نے کہا:’’حسبك الله يا عطاء الله!‘‘اوررفقاء نے جملہ نہیں سنا تھا،جب سنایاسب تڑپ گئے۔

غیرمسلموں کوتبلیغِ اسلام

ایک دفعہ تو ساری ضلع سورت میں سکھوں اور ہندوؤں کی ایک دعوت پرایک تقریر منظورفرمائی۔ایک تھیٹر ہال کاانتخاب ہوا، جامع ڈابھیل کے اساتذہ اورطلبہ بھی شریک تھے۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی تشریف رکھتے تھے، اس تقریر کی تاثیر و حلاوت، فوق العادت خطابت کا کمال آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے، اس کی شیرینی کام و دہن میں ہے، ہندوؤں اور سکھوں سے ''اللہ أکبر'' کے نعرے بلند کروائے تھے۔ سلام کی حقانیت، اللہ کی عظمت اور توحید، گوشت خوری کے منافع، بت پرستی کی قباحت پر حیرت انگیز بیان تھا۔ حضرت شبیر احمد عثمانیؒ زار و قطار رو رہے تھے۔ میں نے کبھی ان کو اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا۔

تقریر کے بعد میں نے سنا، فرماتے تھے: میں نے بیسیوں تقریریں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی سنی ہیں، لیکن اتنی مؤثر تقریر آج تک نہیں سنی اور فرمایا کہ: آج عطاء اللہ شاہ نے حق تبلیغ ادا کردیا ہے، اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم، متکلّم، خطیب کی یہ داد کتنی قیمتی ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کو آپ سے بے انتہا محبت تھی اور دعا کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ایسا خطیب کبھی نہیں دیکھا جو روتوں کو ہنساتا ہے اور ہنستوں کو رُلاتا ہے اور فرماتے تھے کہ: مرزا غلام قادیانی کے خلاف ان کی ایک تقریر وہ کام کرتی ہے جو ہماری پوری تصنیف نہیں کرسکتی۔ کسی مجلس میں اُنہیں دیکھتے تو باوجود اس کے متانت و وقار کا پہاڑ تھا، محظوظ ہوتے جس کی انتہا نہیں۔

لاہور کا تاریخی اجلاس جس میں آپ امیرِ شریعت بنائے گئے

مئی ۱۹۳۰ء کا جو تاریخی اجلاس ''انجمن خدام الدین لاہور'' کا ہو رہا تھا، جس کا سماں آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے، اس وقت امام شیخؒ کا اسم گرامی مولانا ظفر علی خاں نے امارت کے لیے پیش کیا۔ حضرت شیخ نے کھڑے ہوکر تقریر فرمائی اور اپنی کمزوری کی وجہ سے معذرت پیش کی اور سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی امارت کی نہ صرف تجویز کی بلکہ امیر بنا کر فرمایا:

میں بھی اس مقصد کے لیے ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، آپ حضرات بھی ان سے بیعت کریں اور اپنے دونوں ہاتھ مبارک سید بخاری کے ہاتھ میں دے دیئے۔

وہ منظر بھی عجیب تھا کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ رو رہے تھے اور کہتے ہیں کہ خدا کے لیے مجھے معاف فرمائیں، میں اس کا اہل نہیں اور حضرت شیخ اصرار فرما رہے ہیں۔ اس وقت سب سے پہلے مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ نے پہلی بیعت فرمائی، پھر مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے بیعت کی، راقم الحروف بھی اسی مجمع میں شریک تھا اور غالباً تیسرا نمبر بیعت کرنے والوں میں میرا تھا، اس وقت شاہ جیؒ ''امیر شریعت'' بنائے گئے اور ان کی شخصیت میں مقبولیت اور جاذبیت کا دور شروع ہوا، جو اس سے پہلے کبھی نہ تھا اور اس کے بعد اخلاص کے ساتھ خدمت کی توفیق ان کو ملی، وہ ان کی زندگی کا تاریخی دور ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی یہ عام مقبولیت اور مجاہدانہ سرگرمیاں، منصفانہ خدمات اور حیرت انگیز تاثیر اور بے پناہ محبوبیت حضرت مولانا انور شاہؒ کی کرامت تھی۔ اپنے ہاتھ مبارک جو اُن کے ہاتھوں میں رکھ دیئے تھے اس کی وجہ تھی اور حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کو جو قادیانی فرقہ سے بغض وعناد تھا اس نے عطاء اللہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔

دراصل شاہ جیؒ کا وجود حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی کرامت تھا، جس کی وجہ سے علماء، صلحاء، عرفاء و اتقیاء، وقت کے بڑے بڑے اہلِ فضل و کمال مولانا عطاء اللہؒ کے جاں نثار، محب، والہانہ معتقد بن گئے تھے: ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْم۔''

(بشکریہ ماہنامہ نقیب ختمِ نبوت امیرِ شریعت نمبر ص: ۳۳۲-۳۳۰)

مولانا مفتی محمد صادق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

① افسوس کہ اس ماہ میں پاکستان کے ایک جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحب طویل علالت کے بعد اس دارِفانی سے رحلت فرما گئے ہیں: إنا لله وإنا إليه راجعون.

مرحوم اس دور کے ممتاز علماء کرام میں سے تھے، جامعیت، متانت، سنجیدگی، وقار، کرم نفس، تواضع اور حلم میں ممتاز تھے، ریاست بہاولپور کے مفتی بھی رہے، علماء کرام کے حالات ووفیات کا خاص ذوق تھا، جو علماء سرزمین بہاولپور میں پیدا ہوئے یا باہر سے بہاولپور میں کبھی آئے ان سب کے حالاتِ زندگی کو مرتب فرمایا تھا، فقہ اور علوم دینیہ کے ساتھ علوم عقلیہ کے بھی ماہر تھے اور ان علمی کمالات کے ساتھ نہایت تجربہ کار تھے، انتظامی معاملات اور علوم اسلامیہ کے اداروں کے نظم ونسق اور مدارس کے قواعد وضوابط میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے غالی معتقد تھے اور مقدمہ بہاولپور کے تاریخی مقدمہ کے دوران حضرت امام العصر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سترہ روزہ قیام بہاولپور میں لیل ونہار ساتھ رہے اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات وخوارق وحالات نہایت والہانہ انداز سے بیان کرتے تھے اور بسا اوقات خود بھی روتے تھے اور سننے والوں کو بھی رلاتے تھے۔

ایک دفعہ ملتان سے بہاولپور ٹرین میں رفاقت نصیب ہوئی، اس عجیب و پرکیف انداز

سے احوال سنائے کہ مجھ پر اتنی رقت طاری ہوئی جس کا کیف آج تک بھولا نہیں، افسوس کہ اکابر اٹھتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ پُر ہونے کی کوئی توقع نہیں۔

اللّٰهم اغفرله اللّٰهم ارحمه وارضه واعف عنه واجعل الجنة متقلبه ومثواه.

مولانا سید اظہار الحق سہیل عباسی امروہی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) نیز اس ماہ میں مولانا سید اظہار الحق سہیل عباسی امروہی کا بھی انتقال ہوا، مرحوم فاضل دیوبند تھے، حضرت امام مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ ادبی ذوق پر ممتاز تھے، عربی وفارسی کے شاعر بھی تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور زلات معاف فرمائے۔

الحاج خواجہ ناظم الدین رحمۃ اللہ علیہ

③ ۲۲/اکتوبر ۱۹۶۴ء چھ بجے شام الحاج خواجہ ناظم الدین مرحوم بھی اس دنیا سے رحلت کر گئے، اگرچہ خواجہ صاحب مرحوم ان طبقہ علیا کے سیاست دانوں اور حکمرانوں میں سے تھے جن کی پوری زندگی اقتدار اعلیٰ کے عروج وزوال کی کشمکش میں گذری ہے مگر ہمارے لئے ان کی زندگی میں کشش اور ان کی وفات پر تاسف کا موجب صرف یہ ہے کہ وہ صوم وصلوۃ کے پابند اور عامۃ المسلمین کے دوش بدوش نماز جمعہ ادا کرنے کے عادی تھے، ویسے بھی راسخ العقیدہ اور علماء دین سے عقیدت رکھنے والے مسلمان تھے۔ اس حلقہ میں اتنی دینداری بھی مغتنم ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

[جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ۔نومبر ۱۹۶۴ء]

مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذى لا باقي إلا وجهه ولا دائم إلا ملكه والصلوة والسلام علىٰ حبيبه الذي أخلص لله وجهه وعلىٰ آله وصحبه الذين لا يريدون إلا رضاه و وجهه.

یوم جمعہ ۳ رجب ۱۳۸۵ھ - ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو مہاجر مدنی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مدینہ طیبہ میں واصل بحق ہوئے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون اللّٰهم اغفرله وارحمه واكرم نزله ووسّع مدخله وارزقه دارا خيرا من داره وجارا خيرا من جاره، آمين يارب العلمين.

مولانا بدر عالم صاحب دور حاضر کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی بدولت علم و دین کی ساکھ قائم ہے، جن سے مدرسے آباد ہیں، ممبر بارونق ہیں، موصوف قابل مدرس، فاضل مقرر، کامیاب ومقبول مصنف تھے، اردو، عربی کے ادیب وشاعر تھے، موثر اسلوب، شگفتہ طرز ادا کے مالک تھے، عام گفتگو میں بھی الفاظ کیا ہوتے موتی کی پروئی ہوئی لڑیاں ہوتی تھیں، جو ان کی نوک زبان سے بکھرتی تھیں، مؤثر تعبیر، دل نشین طرز ادا ان کی خصوصیت تھی، صدق وصفا کے مجسمہ تھے، ورع وتقویٰ اور استغنا کے پیکر تھے، نصیحت وخیر خواہی اور حق گوئی میں ممتاز تھے، نہایت زیرک ومدبر تھے اور سب سے بالاتر یہ کہ آخری لمحات حیات میں مرشد کامل تھے، پاک وہند اور جنوبی ومشرقی افریقہ کے سینکڑوں بندگان خدا ان کی تربیت وتزکیہ اور بیعت وارشاد سے

فیض یاب ہوئے اور شریعت کی پابندی واستقامت ان کونصیب ہوئی، ذکی عالم تھے، صاحب فراست بزرگ تھے، مدینہ طیبہ کی سیزدہ سالہ بابرکت زندگی ان کی سرشت وطبیعت میں بہت کارگراور مؤثر ثابت ہوئی، مدینہ کے انوار وبرکات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، ان کے فطری جوہر کھلے، کرم گستری، مہمان نوازی، مروت وجوان مردی اور اپنے مخلصین سے مخلصانہ ادائیں وہ سب سے زیادہ حیرت انگیز جوہر تھے جونمودار ہوئے۔

ابتدائی دور طالب علمی میں مظاہرالعلوم سہارنپور کی برکات سے بہرہ اندوز ہوئے اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ متوفی ۱۳۲۳ھ کے ارشد خلفاء عارف باللہ فقیہ محدث اور صوفی باصفا حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری مدنی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۶ھ کے مرکز توجہات والطاف رہے اور ان کے آغوش شفقت میں تربیت نصیب ہوئی، درمیانی عمر میں آیۃ من آیات اللہ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندیؒ متوفی ۱۳۵۲ھ کے آغوش تربیت میں پہنچے، دیوبند میں ان کے فیض اور انوار علوم ومعارف سے مستفیض ہوئے اور حضرت عارف باللہ مفتی مولانا عزیز الرحمن قدس سرہ نقشبندی المتوفی ۱۳۴۷ھ سے شرف بیعت کی سعادت نصیب ہوئی، عرصہ دراز تک ان کے انفاس قدسیہ اور صحبت مقدسہ کی برکات سے مالا مال ہوتے رہے، انتہائی استقامت واستقلال کے ساتھ اذکار واشغال نقشبندیہ کی مداومت نصیب ہوئی، بالآخر حضرت مفتی صاحب کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۴ھ نے خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا، الغرض اس طرح علمی وعرفانی سرچشموں سے کما حقہ سیرابی کا موقع نصیب ہوا اور اپنے عہد کے ممتاز ترین اکابر کے فیوض سے پورے طور پر فیض یاب اور ان کی ظاہری وباطنی برکات کی سعادت سے ہمکنار ہوئے۔

حیات طیبہ کے آخری لمحات وانفاس میں سیدالانبیاء رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس میں قیام کی تمنا پوری ہوگئی، چنانچہ ۱۳۷۲ھ میں مدینہ طیبہ ہجرت کی، خاک پاک مدینہ

نے اور حبیب رب العٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار مقدس نے طبیعت میں خاص استقامت کی سعادت بخشی اور چار سالہ طویل علالت کے زمانہ میں صبر وشکر کے وہ قابل رشک مظاہر وآثار ظہور میں آئے کہ عقل حیران ہے، ''فیض الباری شرح بخاری'' چار ضخیم جلدوں میں (جو حضرت شیخ امام العصر کی تقاریر درس صحیح بخاری کا مجموعہ ہے) عربی اور ''ترجمان السنۃ'' اردو میں خدمت حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو بے نظیر شاہ کار ہیں جو رہتی دنیا تک ان کی زندہ یادگار اور اہل علم ودین کے طبقہ میں منبع فیض بنے رہیں گے، ان شاء اللہ العزیز، ''جواهر الحکم'' کے نام سے احادیث نبویہ -علی صاحبہا أزکی التحیات واسنی التسلیمات- کا ایک مجموعہ جو عصر حاضر کی عوامی اصلاحی خدمت کے طور پر انتہائی دل نشین تشریحات کے ساتھ تالیف فرمایا ہے، تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے، یہ ان کی آخری تصنیف ہے اور ان کے شرح صدر کا عمدہ نمونہ ہے۔

مظاہر العلوم سہارن پور سے فراغت تحصیل علوم کے بعد دیوبند پہنچے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تلمذ کی سعادت کے ساتھ ہی دارالعلوم دیوبند میں منصب تبلیغ وتدریس پر فائز ہوئے اور اسی زمانہ میں تبلیغ اور تقریر خصوصاً ردقادیانیت میں اچھی شہرت حاصل کی اور نہایت کامیاب اور مقبول مقرر ثابت ہوئے، ۱۳۴۶ھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے قافلہ کے اہم رفیق بنے اور حدیث کے اساتذہ میں تقرر ہوا، اسی دور میں دیوبند کے ''مہاجر اخبار'' کے قابل ترین مضمون نگار رہے، ڈابھیل کے بعد بہاول پور و بہاول نگر آپ کا مرکز فیض رہا اور آخر میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار (سندھ) میں استاذ حدیث ونائب مہتمم کے منصب پر فائز ہوئے، عرصہ سے مدینہ منورہ -زادھا اللہ نورا- کی سکونت کی آرزو دل میں موجزن تھی اور نہایت ہی والہانہ انداز میں مدینہ کی ہجرت کا سودا دماغ میں سمایا ہوا تھا، چنانچہ ''البدر الساری تعلیقات فیض الباری'' میں انتہائی والہانہ اور رقت انگیز انداز میں اس آرزو کا اظہار کیا جو رب العرش العظیم کی بارگاہ سے شرف قبولیت کے ساتھ سرفراز

ہوئی اور نالہ ہائے سحری رنگ لائے اور جوارحبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنائے تصور سے بالاتر طریقے پر واقعہ کی صورت اختیار کر لی ،عبادت واستقامت، ادب وسکون، ذکر وفکر کے ساتھ مسجد نبوی کی حاضری نصیب ہوتی رہی ، یہاں تک کہ علالت نے صاحب فراش بنا دیا، پورے چار سال صاحب فراش رہے، اس دور میں صبر وشکر ورضا بالقضا کے جو منازل طے کئے اور جو نعمتیں ان کو نصیب ہوئیں، قابل صدر شک ہیں ؎

ایں سعادت بزور باز ونیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ماہ رجب المرجب کے مقدس مہینہ اور جمعہ کے مبارک دن میں حبیب رب العٰلمین کے جوار میں جنت البقیع کی خاک مقدس میں جس کا ایک ایک ذرہ آفتاب عالمتاب سے زیادہ بانور ہے، اس خادم علم دین، اس باغیرت وباحمیت شخصیت نے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کیا: ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطیٰ وکل شیء عندہ إلیٰ أجل مُّسمًّی.

الغرض ذوق ووجدان، بصیرت وعرفان، علم وعمل، ورع وتقویٰ کا یہ پیکر نوری تقریر وتحریر کے کمال کا حامل اور ظرافت وشگفتگی کا مظہر اپنی باوقار شخصیت کے ساتھ اپنے احباب واقرباء ومخلصین سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خادم علم ودین کو اپنی بیکراں رحمت سے نوازے اور جنت الفردوس میں رضوان الٰہی سے سرفراز فرمائے۔

رحمہ اللہ رحمۃ الأبرار الصالحین والأخیار المقربین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ أجمعین.

فرصت ملی تو چند صفحات پر ان شاء اللہ حق صحبت وحق رفاقت اور حق احسان ادا کرنے کے لئے کچھ خامہ فرسائی کا ارادہ ہے، واللہ الموفق والمعین۔

[رجب ۱۳۸۵ھ-نومبر ۱۹۶۵ء]

مولانا عبدالرحمن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

ألحمد لله الذی له البقاء والدوام، فقال تعالیٰ: كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذوالجلال والإكرام، والصلوة و السلام علیٰ من هدانا سبل السلام وعلّمنا الرضاء بالقضاء والانقياد لقدره والاستسلام، وعلیٰ آله وصحبه الذين فازوا بالرضوان في دارالسلام.

سہ شنبہ، ۲۷ر شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۱ر دسمبر ۱۹۶۵ء کی شام کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے مغربی پاکستان کا آفتاب علم غروب ہوا، حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوری کا وصال ہوگیا۔

إنا لله وإنا إليه راجعون، رحمه الله ورضی عنه وارضاه وجعل الجنة جنة الفردوس متقلبه ومثواه.

کل نفس ذائقة الموت اور کل من علیها فان سنت الہیہ اور ابدی قانون ہے، تسلیم وانقیاد اور رضا بالقضاء کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

”ان لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيئٍ عنده إلیٰ أجل مسمًّى.“

ترجمہ:۔ بلاشبہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ اس نے لے لیا اور اسی کا ہے جو اس نے عطا فرمایا اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک مقررہ مدت تک کے لئے ہے۔

کسی کو نہ مجال انکار ہے، نہ مقام چون و چرا۔ حضرت مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ کی وفات دنیائے علم و اخلاق کا ایک بڑا حادثہ ہے اور ایسے اکابر علماء کی رحلت امارات ساعت (علامات قیامت) میں سے ہے، مولانا مرحوم علوم اسلامیہ دینیہ اور نقلی و عقلی فنون علم کے جامع ترین عالم تھے، اصناف علم و فضل و کمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں، وہ عالم و عارف تھے، صوفی و محقق اور فقیہ و محدث تھے، علم اصول و کلام کے ایک ماہر اصولی اور فاضل متکلم تھے، غرض علمی دنیا کے آفتاب و ماہتاب تھے، کوہ وقار و تمکنت، پیکر حلم و رزانت، مجسم خمول و تواضع اور صلاح و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھے، فطری ملکات میں ان کو ایک نمایاں امتیاز حاصل تھا، ریاضت و مجاہدہ کے بغیر طبعی طور پر مرتاض تھے، اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو وہبی اور فطری اخلاق و ملکات کے وہ مقامات عالیہ عطا فرمائے تھے کہ ریاضت و مجاہدات کے بعد بھی ان کا حاصل ہونا قابل فخر اور وجہ شرف ہے، اس علم و فضل اور شرف و کمال کے ساتھ انکسار و تواضع، خاموشی اور کم گوئی ان کی ایک فطری کرامت تھی، ایسی جامع کمالات شخصیت اور مجمع فضائل ہستی کی وفات سے پاکستان کے دینی اور علمی حلقوں میں جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے افسوس کہ اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے غالباً ۱۳۳۲ھ میں مظاہر العلوم سہارن پور سے تحصیل علوم و فنون سے فراغت حاصل کی اور حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ سے حدیث میں فیض حاصل کیا، ان کے علاوہ دوسرے اکابر علماء مظاہر العلوم سے فیض یاب ہوئے، ۱۳۳۳ء میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے دوبارہ دورۂ حدیث پڑھا، اسی طرح دیوبند اور سہارن پور کے دو آبہ علم و دین سے سیراب و سرشار ہوئے۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ اور سہارن پور کے اکابر علم کی نظر انتخاب نے موصوف کو مظاہر العلوم کی خدمت تدریس کے لئے منتخب فرمایا، علوم دینیہ اسلامیہ کی اس اہم درس گاہ میں

آپ شروع میں مدرس اوراس کے بعد ایک عرصہ دراز تک صدر مدرس کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے رہے، آپ کے ان فطری کمالات اور وہبی خصوصیات ہی کی وجہ تھی کہ مظاہر العلوم کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ترقی کر کے اسی علمی مرکز میں آپ شیخ الکل بن گئے اور اس طرح یک سوئی اور خاموشی کے ساتھ شب وروز تدریس علوم کی خدمت میں مصروف رہے کہ پھر اس پیکر زہد وقناعت وورع وتقویٰ نے کسی دنیاوی مقصد کے لئے کہیں کا رخ نہیں کیا اور جب تک پاکستان کی مملکت خداداد ظہور میں نہیں آئی، آپ مظاہر العلوم ہی میں قیام پذیر رہے۔

پاکستان بننے کے بعد اپنے مادر علمی مظاہر العلوم سہارن پور کو بادل نخواستہ خیر باد کہا اور ملتان کے شہرۂ آفاق دینی ومرکزی درس گاہ خیر المدارس میں صدر مدرس ہوئے اور دار العلوم اسلامیہ ٹنڈ والله یار (سندھ) کے قیام کے بعد حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کی سعی اور حسن تدبر سے شیخ الحدیث دار العلوم کے منصب کو آپ نے قبول فرمالیا اور کچھ عرصہ اس مرکز میں درس حدیث کی خدمات انجام دیں، اس کے بعد دار العلوم اسلامیہ کی خدمت سے مستعفی ہو کر اپنے وطن بہبودی ضلع کیمبل پور میں قیام فرمایا، کچھ عرصہ بعد جناب محترم مولانا سید بادشاہ گل صاحب کے اصرار سے مجبور ہو کر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک میں منصب صدارت قبول فرمایا اور چند سال علم کی خدمت انجام دی، آخر طبعی ضعف اور نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے اس خدمت سے بھی مستعفی ہوئے اور مستقل طور پر وطن میں قیام پذیر ہو گئے اور نہایت خاموشی کے ساتھ طالبین روحانیت کی تہذیب نفس اور اخلاقی اصلاح کی خدمت انجام دیتے رہے، مشتاقان دین اور طالبان فیض اسی طرح خاموشی کے ساتھ فیض یاب ہوتے رہے۔

حضرت مولانا مرحوم کے وہبی کمالات اور فطری محاسن کی وضاحت کے لئے اس واقعہ کا ذکر کافی ہے کہ جس زمانے میں آپ مظاہر العلوم سہارن پور میں صدارت تدریس کے منصب

پر فائز تھے، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے موصوف کو بیعت وارشاد کا اہل سمجھ کر از خود مجاز بیعت بنایا، حضرت کامل پوری نے معذرت پیش کی کہ:

''حضرت! میں نے تو اب تک بیعت بھی نہیں کی تو خلافت کا کیا استحقاق ہے؟''

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت شرط نہیں۔''

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالرحمن مرحوم نے درخواست کی کہ اچھا اب مجھے بیعت بھی فرمالیجئے، یہ واقعہ شاید پہلی ہی نظیر ہے کہ کسی بزرگ نے بیعت سے پہلے ہی کسی بزرگ کو خلافت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہو اور اجازت وخلافت کے بعد پھر بیعت کر کے سلوک طے کرایا ہو۔

یہ واقعہ ایک حکیم امت اور شیخ کامل کی طرف سے مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ کے فطری محاسن اور وہبی فضائل کا اعتراف ہے، درحقیقت یہ ان کی فطری صلاحیت اور طبعی اہلیت ہی تھی جس کی وجہ سے ان میں ریاضت ومجاہدہ واصلاح کے بغیر مشیخت کے اوصاف مجتمع ہو گئے تھے، وہ از خود اور وہبی طور پر شیخ وقت تھے۔

ان معنوی فضائل ومحاسن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن وجمال کی نعمتوں سے بھی بہرہ مند فرمایا تھا، اپنی قامت رعنا، نازک اور تراشیدہ نقوش، روئے منور اور لطافت ونظافت کے ساتھ وہ جمال وکمال کا ایک پیکر نوری محسوس ہوتے تھے۔

راقم الحروف کو دارالعلوم اسلامیہ میں ان کی صحبت ورفاقت کا شرف حاصل رہا اور مرحوم کے قریب سے قریب تر مطالعہ کا موقع نصیب ہوا، لیکن ان کے فطری کمالات وفضائل کی وجہ سے ان کے ساتھ میری گرویدگی میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

افسوس کہ ایسے نازک دور میں جب کہ امت کو علم ودین کے ایسے اکابر کی سرپرستی کی بے حد ضرورت تھی، اس نعمت کا چھن جانا بڑا خسارہ، ایک بڑی مصیبت اور عظیم حادثہ ہے!

فما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

ترجمہ:۔ ’’قیس ایسا نہیں تھا کہ اس کا ہلاک ہونا کسی ایک شخص کی ہلاکت ہو، لیکن اس کا ہلاک ہونا تو ایسا ہوا جیسے ایک قوم کی بنیاد منہدم ہوگئی ہے۔‘‘

دعا ہے کہ اس پیکر صدق وصفا، سراپائے وقار وتمکنت، مجسمہ ورع وتقوی، مخزن علم و عمل، جامع کمالات بزرگ کی روح پاکیزہ ابر رحمت کے فیض قدسی سے ہمیشہ سرشار اور شاداب رہے اور ان کی قبر مبارک آفتاب کرم کی ضوفشانی سے ہمیشہ بقعہ نور بنی رہے اور ان کا نورانی چہرہ سراپا نور ہو۔

أللهم اغفرله وارحمه وارضه وارض عنه واحشره مع الأبرار والمقربين وصلى الله على سيدنا محمد وآله وبارك وسلم.

[رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ]

مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۶ / ربیع الاول ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۶ / جولائی ۱۹۶۶ء شب جمعہ بوقت سحر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھوی کی روح مبارک پرواز کرگئی:

إنا لله وإنا إليه راجعون،ان لله ماأخذ و له ما أعطى وكل شيئٍ عنده إلىٰ أجل مسمًّى.

موصوف اس عہد کے ممتاز عالم، مشہور مفتی، مقرر، واعظ وخطیب اور صاحب جرأت وصاحب نسبت وصاحب فراست بزرگ تھے، وہ بیک وقت خانقاہ، درس گاہ، منبر ودارالافتاء کی زینت تھے، وہ جمعیت العلماء (سرگودھا) کے صدر اور جمعیت وفاق المدارس کے نائب صدر اور دینی درس گاہ سراج العلوم سرگودھا کے بانی وصدر مدرس تھے، نہایت سنجیدہ باوقار روز کی عالم تھے، ملکی سیاست سے بھی وافر حصہ رکھتے تھے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شرف تلمذ کے بعد امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔ ہندوستان و پاکستان کی سرزمین میں وہ ممتاز حافظ قرآن تھے جنہوں نے صرف ۲۷ / دن میں قرآن کریم کو حفظ کرلیا تھا، امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اس جودت حفظ وقوت حافظہ پر حیرت ہوئی تھی، مرحوم نہایت خوش لباس اور خوش خوراک تھے، لباس فاخر کے شائق تھے، نہایت نفاست پسند تھے، نہایت متانت سے گفتگو فرمایا کرتے

تھے، اس قحط الرجال کے دور میں ایسی جلیل القدر ہستی کی موت امت کے لئے عظیم سانحہ ہے، افسوس کہ علم ومعرفت کے خم خانے خالی ہوتے چلے جارہے ہیں اور آئندہ کوئی توقع نہیں کہ ان ہستیوں کی جگہ پُر ہوسکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس روح پاک کو اپنی رحمت ورضوان سے سرفراز فرمائیں اور جنت الفردوس نصیب فرمائیں اور ان کے صاحبزادگان کرام خصوصاً مولانا حافظ احمد سعید صاحب اور مولانا قاری عبدالسمیع کو اپنے والد بزرگوار کا صحیح جانشین بنائے اور ان کی برکات سے ان سب کو مالا مال کرے، آمین۔

موت التقی حیاۃ لا انقطاع لها
کم مات قوم و هم فی الناس أحیاء

أللّٰهم اغفرله وارحمه وأكرم نزله واحشره مع الأبرار الصالحين والعلماء الربانيين بفضلك وكرمك يارب العلمين.

[ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ-اگست ۱۹۶۶ء]

مولانا عبدالحنان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۶ھ مطابق ۳۰/ اگست ۱۹۶۶ء سہ شنبہ ۴/ بجے شام مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی طویل علالت کے بعد اس عالم فانی سے رحلت فرما گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

مرحوم دارالعلوم دیوبند کے علمی دور کے ممتاز فارغ التحصیل علماء میں سے تھے، حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا، طالب علمی کے دور سے ہی تقریر وخطابت سے بہت گہری دلچسپی رکھتے تھے، فراغت کے بعد لاہور پہنچے اور حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کیا اور آسٹریلین بلڈنگ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہوئے اور اسی زمانہ میں آپ کی خطابت کے جوہر کھلے، نہایت خوش بیان خطیب اور سنجیدہ مقرر تھے، عرصہ دراز تک غیر منقسم ہندوستان میں جمعیت العلماء ہند کے پلیٹ فارم پر مولانا حفظ الرحمن صاحب مرحوم کے رفیق کار رہے اور پھر احرار کے پلیٹ فارم پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ساتھی رہے، دینی، سیاسی غرض ہر موضوع کی لحاظ سے بہترین خطیب تھے، ختم نبوت کی تحریک میں قید وبند کی تکلیف سے بھی دوچار ہوئے، آخر میں راولپنڈی میں مدرسہ حنفیہ محلہ ورکشاپی کے مہتمم تھے اور اس طرح مولانا قاری محمد امین صاحب کی رفاقت ومعیت میں ایک علمی درس گاہ کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت بے کراں اور رضوان ابدی سے جنت الفردوس میں مقام عطا فرمائے اور بال بال مغفرت ہو، آمین۔

حریفاں بادہا خوردند ورفتند تہی خم خانہا کردند ورفتند

[جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ- اکتوبر ۱۹۶۶ء]

مولانا عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ

رجب اورشعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ماہ نومبر ودسمبر ۱۹۶۶ء میں نا قابل تلافی حوادث وصدمات پیش آئے۔ ۳؍رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۴؍نومبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ملتان کے مشہور فاضل عالم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب واصل بحق ہوئے إنا للہ وإنا إلیہ راجعون، مرحوم دارالعلوم کبیر والاضلع ملتان کے بانی ومہتمم وصدر مدرس تھے، حضرۃ الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ کے ان ممتاز تلامذہ میں سے تھے جن کی پوری زندگی علوم نقلیہ وعقلیہ کی تدریس میں گذری، نہایت ذکی عالم تھے، انداز بیان نہایت سلجھا ہوا تھا، علمی مشکلات کو سادے اور مختصر انداز سے حل کرنے پر پوری پوری قدرت رکھتے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے عہد صدارت میں دارالعلوم دیوبند کے طبقہ علیاء کے اساتذہ میں عہدہ تدریس پر فائز رہے، نہایت خوش پوشاک، خوش لباس تھے، بیوی وبچوں کی فکر سے آزاد درس وتدریس کے علمی مشاغل کے لئے یک قلم فارغ تھے، قحط الرجال کے دور میں ایسی ہستیوں کا وجود انتہائی غنیمت ہوتا ہے، جن کی زندگی سے دینی درس گاہوں کی رونق قائم رہتی ہے، اس پر آشوب عہد میں جبکہ علوم دینیہ کا مقصد بھی وہی ہوگیا ہے جو علوم دنیوی کے حاملین کا ہے وہی دنیوی آسائش وراحت، دنیوی عزت ووجاہت، شکم پروری وتن آسانی، ایسے محقق روزگار عالم کا اٹھ جانا نا قابل برداشت صدمہ ہے۔ وفی اللہ عزاء من کل ھالك۔

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے، زلات وتقصیرات معاف فرمائے اور راحت ورضوان کے اعلیٰ درجات نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی والدۂ ماجدہ کی وفات کا حادثہ

انتہائی رنج وغم کے ساتھ یہ خبر سنی گئی کہ ہمارے محترم عالم ربانی مولانا ابوالحسن علی میاں کی والدہ محترمہ ۶/جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ مطابق ۳/اگست ۱۹۶۸ء کو اس دنیائے فانی سے رحلت کر گئیں، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحومہ عابدہ، زاہدہ، صالحہ، شب خیز اور معمر خاتون تھیں، جن کی نظیر عصر حاضر میں کم ملتی ہے، ان کے والد ماجد حضرت سید ضیاء الدین مرحوم بن سید سعید الدین مرحوم اپنے زمانہ میں عبادت وتقویٰ اور تعلق مع اللہ میں یگانۂ روزگار تھے، مرحومہ کے کمالات کا اندازہ اسی سے کیا جاسکتا ہے کہ ان ہی کی آغوش تربیت میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی مرحوم اور عالم ربانی مولانا ابوالحسن جیسے نادرۂ روزگار حضرات سراپا اخلاص بنے، اپنی اولاد کو مرحومہ کی وصیت مبارکہ تھی کہ دین کو حصول دنیا کا ذریعہ نہ بنائیں، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں اس پاکیزہ روح (روح طیبۃ) پر جس نے اس انداز اور اس اخلاص سے تربیت کر کے امت کے سامنے سراپا عمل اور مرقع اخلاص اولاد کا نمونہ پیش فرمایا، مرحومہ نے ۹۳ سال کی عمر پائی، گویا صحیح معنی میں ''خیرکم من طال عمرہ وطاب عملہ'' تم میں بھلا آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی اور عمل اچھا ہو، کی مصداق تھیں، آنے والے سب جانے کے لئے ہی آتے ہیں لیکن مولانا علی میاں صاحب کے لئے والدہ محترمہ

کی دعوات صالحہ اور نالہائے نیم شبی سے محروم ہونا بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو رحمت ورضوان سے جنت الفردوس نصیب فرمائے اوران کی روحانی توجہات سے ہمارے مولانا علی میاں کو بعدالموت بھی مالا مال فرمائے اوران کی وفات، محترم مولانا علی میاں کے لئے حیات سے زیادہ باعث خیروبرکت ہو، آمین۔

مرحومہ اپنے آبائی وطن رائے بریلی تکیۂ حضرت شاہ علم اللہ رحمہ اللہ میں اپنے مرحوم شوہر حضرت مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب ۔ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء۔کے جوار میں آسودہ خاک ہوئیں۔

فرحمها الله رحمة المؤمنات الصالحات القانتات.

[شعبان ۱۳۸۸ھ]

مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲؍رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۳؍نومبر ۱۹۶۶ء کومولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحلت فرماگئے، مرحوم وقت کے بہترین قادرالکلام خطیب تھے، نہایت پر اثر مقرر تھے، حاضر جواب تھے، بیک وقت منبر ومحراب ومدرسہ کی رونق تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت کے عرصہ تک صدر رہے، عرصہ دراز تک حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے رفیق کار رہے، حضرت شاہ بخاری کے محیر العقول خطابت کی بعض خصوصیات کے صحیح وارث تھے، عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ وعلمبرداری نے ان کی زندگی میں وقار وعظمت اور عوام کے دلوں میں محبت پیدا کردی تھی، مدارس دینیہ کے سالانہ جلسے ان کے دم سے بارونق تھے، ایسے باکمال آتش فشاں خطیب کی رحلت بڑا سانحہ ہے، مرحوم کی وفات سے جلسے افسردہ ہوگئے اور دینی اجتماعات پژمردہ ہوگئے، گلستان مجلس ختم نبوت کی ہزار داستان، خوش نوا بلبل ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ قاضی صاحب کی خدمات کو خلعت قبول سے نوازے اور ان کو ترقی درجات کا وسیلہ بنائے، بعارضہ سرطان جگر بیمار رہے، آخر جان جانِ آفریں کے سپرد کردی، مرحوم کے جنازے میں ملتان، بہاولپور، لاہور، لائل پور کے ہزاروں بندگانِ خدا شریک ہوئے، حضرت مولانا عبداللہ درخواستی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا جان محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ شعبان ۱۳۸۶ھ کی ۲۳ر تاریخ مطابق ۶ر دسمبر ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ریاست سوات کے مشہور عالم مولانا جان محمد صاحب بعارضہ قلب طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔

مرحوم ریاست سوات کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جن کی پوری ہی زندگی اپنے ملک کے عوام کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں خاموشی سے گذری، صاحب نسبت مخلص باخدا بزرگ تھے، خشوع وخضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے، نالہائے سحری میں دیدہ ودل کی حسرتیں نکالا کرتے تھے، ہمارے رفیق کار مولانا فضل محمد (سواتی) صاحب استاذ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے والد ماجد تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور پسماندگان کو اس جانکاہ صدمہ میں صبر جمیل وشکیبائی نصیب فرما کر اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔

خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کے دو فرزند مولانا فضل محمد صاحب اور قاری فضل حلیم صاحب علم وعمل اور خاموشی کے ساتھ دین کی خدمت کرنے میں اپنے والد محترم کے صحیح جانشین ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی مزید توفیق مرحمت فرمائے۔

[شوال ۱۳۸۶ھ-فروری ۱۹۶۷ء]

مولانا شیر محمد سندھی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ علماء ربانی کے قافلے بڑی سرعت کے ساتھ عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں، علمی ودینی بساط بڑی تیزی سے سمٹ رہی ہے، دینی شمعیں بجھی جارہی ہیں اور علمی محفلیں سونی ہوتی جارہی ہیں اور ایسے دور میں جب کہ آئندہ کوئی توقع نہیں کہ دوبارہ یہ محفلیں آراستہ ہوسکیں گی اور یہ چراغ روشن ہوسکیں گے۔

مغربی پاکستان کے علاقہ سندھ کے ایک مشہور اور معمر عالم دین مولانا شیر محمد صاحب نے ۲۵/رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ کی شب میں داعی اجل کو لبیک کہی ،موصوف سندھ کے محقق عالم، متواضع درویش اور منکسر المزاج بزرگ تھے، باخدا شخصیت تھی ،صرف ونحو کے امام تھے، مسائل صرف اور دقائق نحو سے شغف کیا عشق تھا، علم صرف میں ایک عمدہ کتاب کے مصنف تھے اور سکھر میں دینی درس گاہ کے مؤسس تھے، موت بھی عجیب واقع ہوئی، ۲۴/رمضان کی صبح کو غسل کیا، نئے کپڑے زیب تن کئے، گویا سفر کی تیاری ہے، دن بھر روزہ رہا، قبل افطار زیادہ طبیعت خراب ہوگئی، معمولی علالت کا سلسلہ پہلے ہی سے چلا آرہا تھا، کچھ وصیتیں فرمائیں ،افطار کے وقت غنودگی بڑھ گئی، جس کی وجہ سے روزہ افطار نہ ہوسکا، بالآخر نصف شب ۲۵/رمضان کو روح قفس عنصری سے ’’اللہ! اللہ‘‘ کہہ کر پرواز کرگئی:

إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

سبحان اللہ! موت کیا تھی، گویا زندگی کا رخ دنیا سے عالم آخرت کی طرف مڑ گیا اور طرفۃ العین میں عالم فانی سے کٹ کر عالم آخرت سے جڑ گئے، راقم الحروف کے کرم فرما اور دعا گو تھے۔

اللہ تعالیٰ سفر آخرت کے تمام مراحل آسانی سے طے کرائے، درجات عالیہ نصیب فرمائے اور رحمت و رضوان کے گلدستے نچھاور ہوں، خدا کا شکر ہے کہ ان کے خلف رشید برادرم مولانا محمد انور صاحب موجود ہیں، ان سے توقع ہے کہ وہ مرحوم باپ کی جانشینی کا حق ادا کر سکیں گے۔

مولانا احمد حسن چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ

مشرقی پاکستان کے دو مشہور عالم دونوں چاٹگام کے ایک ماہ رجب ۱۳۸۶ھ اور ایک ماہ رمضان ۱۳۸۶ھ میں واصل بحق ہوئے۔

حضرت مولانا احمد حسن صاحب جیری ضلع چاٹگام کے نہایت مخلص، جفاکش اور باخدا عالم تھے، مدرسہ اسلامیہ عربیہ جیری کے بانی تھے، اپنی پوری زندگی مدرسہ کی ترقی اور خدمت میں گذاری، ۵۶/سال فرائض اہتمام کی انجام دہی کی توفیق نصیب ہوئی، غالباً مدرسہ معین الاسلام ہاٹھ ہزاری کی قدیم ترین درسگاہ کے فارغ التحصیل تھے، مولانا قاضی محمد حسین صاحب خلیفہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ سے مجاز تھے، بنگلہ زبان میں نہایت خوش بیان واعظ تھے، وعظ میں بہت اثر تھا، ان کے مدرسہ میں عارف باللہ شیخ الہند حضرت محمود حسن دیوبندی اور ان کے صحیح جانشین حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اصغر حسین صاحب (رحمہم اللہ) سب ہی حضرات کے قدم پہنچے ہیں، راقم الحروف بھی مرحوم کے اصرار پر وہاں گیا تھا اور صحیح بخاری شریف کا ایک درس بھی دیا تھا، طویل علالت کے بعد ۲۳/رمضان ۱۳۸۶ھ کو ۸۷/سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مولانا محمد اسماعیل چاٹگامی رحمۃ اللہ علیہ

شہر چاٹگام میں مولانا محمد اسماعیل صاحب ایک جید عالم تھے، دارالعلوم دیو بند کے فاضل تھے، عرصہ دراز تک علوم کتاب وسنت کی تدریس میں مشغول رہے، آخر میں چاٹگام شہر کے ایک محلہ میں مظاہر العلوم کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی، اہتمام کے فرائض خود انجام دیتے رہے، نہایت متواضع اور رقیق القلب تھے، اخلاص وتواضع اور رقت قلب میں ممتاز تھے، راقم الحروف کو تین چار مرتبہ شرف زیارت نصیب ہوا، بارہا دیکھا کہ تقریر سنتے وقت رویا کرتے تھے، آخر ستر سال کی عمر میں بتاریخ ۲۴ رجب ۱۳۸۶ھ حیات مستعار کو الوداع کہہ کر حیات جاودانی سے ہمکنار ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ ان پاکباز ان پاک طینت کو اپنی رحمت ومغفرت ودرجات عالیہ سے نوازے، آمین۔

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں بول کر سب اڑ جائیں گے

[ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ-اپریل ۱۹۶۷ء]

مولانا تاج الاسلام رحمۃ اللہ علیہ

افسوس ہے کہ مشرقی پاکستان کے مشہور عالم دین مولانا تاج الاسلام کا ۲۲/ ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ کوانتقال ہوگیا،موصوف دیوبند کےممتاز فارغ التحصیل،حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انورشاہ رحمہ اللہ کےتلمیذ رشید، بنگال کے عمدہ عربی ادیب اور شاعر،مخلص اور بے لوث خادم دین اوراچھے واعظ تھے،عرصہ دراز تک علوم نبوت (قرآن وحدیث) کا درس دیا، برہمن باڑیہ میں ایک مدرسے کے بانی اورصدر تھے،طالب علمی کے زمانے میں مرزاغلام احمد قادیانی کی ہجو میں ایک بلند پایہ عربی قصیدہ لکھا تھا، جسے حضرت امام العصر اور دیگر اساتذہ نے بے حد پسند فرمایا اور بڑی قدر فرمائی ،اس کے چند شعر جوعلمی اعتبار سے بہت اونچے تھے مجھے بھی سنائے ، موصوف سے ملاقات کئی بار ہوئی ایک مرتبہ تو مجمع البحوث الاسلامیہ کی موتمر قاہرہ کے سفر میں ہمرکابی کا موقعہ بھی ملا،موتمر کے لئے موصوف کا نام نامی میں نے ہی پیش کیا، وہاں پندرہ دن تک ایک کمرے میں رفاقت رہی اورموصوف کے اخلاص اورمزاج کی سادگی کا مزید علم ہوا۔

افسوس کہ مولانا کی وفات کے وقت میں سفر میں تھا، مدینہ طیبہ میں انتقال کی خبر سنی اور اس وقت کچھ لکھا نہ جا سکا۔حق تعالیٰ آغوش رحمت میں سکون ورضوان الٰہی سے سرفرازی اور جنت الفردوس نصیب فرمائے،عمر غالباستر سال ہوگی ، رحمه الله رحمة واسعة۔

[ربیع الاول ۱۳۸۷ھ]

اہلیہ علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہما

حضرۃ الشیخ الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ مولانا حکیم محفوظ علی صاحب کی ہمشیرہ مکرمہ اور عزیز مولانا ازہر شاہ و مولانا انظر شاہ کی والدہ ماجدہ مرض سرطان سے طویل و مدید اور صبر آزما علالت کے بعد ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۶؍جون ۱۹۶۷ء بروز سہ شنبہ دیوبند محلہ خانقاہ میں رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئیں اور امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہی سپردخاک ہوئیں۔

مرحومہ گنگوہ کے ایک مشہور سادات خاندان سے تھیں، حضرت الشیخ امام العصر رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بہت سلیقے سے بچوں کی تربیت کی اور اس ۳۵؍سال کے عرصہ میں بڑے بڑے مصائب کا نہایت صبر و استقلال سے مردانہ وار مقابلہ کیا، مرض وفات میں اکثر بے ہوشی کی حالت طاری رہتی، آب ودانہ سے تعلق ختم تھا، لیکن نماز کے وقت ہوش آجاتا اور فریضہ نماز ادا کرلیتیں، مرحومہ کے وصال کی اطلاع ملتے ہی یہاں مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں صبح کو چھٹی کردی گئی، تمام اساتذہ وطلبہ اور درجات حفظ و تجوید کے بچوں نے ختمات قرآن کریم سے ایصال ثواب کیا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس نصیب فرمائے، آغوش رحمت میں جگہ دے اور رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے۔

اللهم اغفرلها وارحمها وعافها واعف عنها واكرم نزلها ووسع مدخلها وارزقها دارا خيرا من دارها وجارا خيرا من جارها بحرمة سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد صلى الله عليه وسلم

[جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ]

حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کی ۲۴؍تاریخ چہارشنبہ ۲۷؍دسمبر ۱۹۶۷ء کو دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز محقق عالم، یگانہ روزگار استاذ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کے وصال کا جانکاہ حادثہ پیش آیا، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون۔ موصوف حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے، درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین مدرس اور استاذ تھے، اپنی حیات طیبہ کا بہت بڑا حصہ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تدریس وتعلیم میں ہی صرف کیا، پورے ساٹھ برس تدریس علوم دینیہ کی خدمت انجام دی، ابتدائی دور میں دہلی کے مدرسہ فتح پوری میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، پھر دارالعلوم دیوبند میں زندگی کا طویل تر حصہ اسی کار خیر میں گذرا، کچھ عرصہ ہاٹھ ہزاری چاٹگام کو اور چند ماہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کو بھی آپ کے تدریسی عہد کا شرف حاصل رہا، پھر اپنے مادرعلمی دارالعلوم میں ہی واپس آ گئے اور زندگی کی آخری سانس تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے، حضرت مولانا مدنی قدس اللہ روحہ کے وصال کے بعد دارالعلوم کے صدرالاساتذہ کے عہدے پر فائز رہے، ذکاوت، قوت حافظہ اور حسن تعبیر میں خصوصاً معقول ومنقول کی مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے اور درس نظامی کی آخری کتابوں کے بے نظیر استاذ تھے، ہندو پاک کے تقریباً تمام علماء کرام کے بلا واسطہ یا بالواسطہ استاذ تھے، شاید ہی علمی دنیا کا کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں مرحوم کے تلامذہ نہ موجود ہوں، نصف صدی سے زیادہ تو دارالعلوم میں ہی علوم درسیہ کی

خدمت انجام دی ہے، مرحوم اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے، جو کتاب پڑھاتے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ نہ صرف اس کے حافظ ہیں بلکہ اس کے مالہ وماعلیہ پر مصنف سے بھی زیادہ حاوی ہیں، مشکل مسائل میں ایسی عمدگی کے ساتھ دھیمی دھیمی آواز میں ایک عجیب تسلسل کے ساتھ تقریر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا، افسوس کہ علم وفضل کے آفتاب وماہتاب تیزی کے ساتھ غروب ہورہے ہیں اور علمی گلستان اس طرح اجڑتے جارہے ہیں کہ ان کی آبادی کی دوبارہ کوئی توقع نہیں۔

إن لله ما أخذ وله ما اعطى وكل شيء عنده الى أجل مسمّى اللهم اغفر له وارحمه وارضه وارض عنه وارفع درجاته آمين يا رب العالمين وصلى الله على صفوة البرية حبيب رب العالمين محمد وآله وصحبه وتابعيه أجمعين.

[ذوالقعدہ ۱۳۸۷ھ]

مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام

ماہنامہ ’’الفرقان‘‘ لکھنو میں یہ دردناک خبر پڑھی کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب واصل بحق ہوگئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

موصوف ضلع اعظم گڑھ (یوپی، بھارت) کے ایک گاؤں فتح پور ’’تال نرجا‘‘ کے رہنے والے تھے، معمر بزرگ تھے، حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے اکابر خلفاء میں تھے، آپ کے فیوض وبرکات سے نہ صرف یوپی اور شمالی ہندوستان بلکہ جنوبی ہند اور بمبئی کے علاقے بھی فیض یاب تھے، مخلصین واحباب واقرباء کے قافلہ کے ہمراہ ’’مظفری‘‘ جہاز سے دیار مقدسہ حرمین شریفین کے لئے روانہ ہو چکے تھے، ماہ رمضان کے عمروں اور طوافوں کا جذبہ لئے جارہے تھے کہ داعی اجل سمندر کی طوفان خیز موجوں میں پہنچ گیا اور بجائے دیار قدس ملاء اعلیٰ کی سیر کے لئے روح ملکوتی جسد عنصری سے بوقت سحر پرواز کرگئی اور جسد عنصری دیار قدس کے سپرد کردیا گیا، یہ حادثہ ۲۴-۲۵ نومبر کی درمیان شب کے اخیر حصہ میں پیش آیا، سبحان اللہ! کتنے آثار برکات ورحمت کے جمع ہوگئے۔ اللهم اغفر له وارحمه وارفع درجته ومتع المستفیضین ببرکاته۔

افسوس کہ صالحین کے قافلے بہت ہی سرعت کے ساتھ آخرت کی طرف جارہے ہیں اور یہ مادی دنیا روحانی برکات سے خالی ہوتی جارہی ہے۔

انا للہ وإنا إلیه راجعون، هذا وصلی اللہ علی صفوة البریة سر الوجود سیدنا محمد وآله وأصحابه وصالحی عباده أجمعین.

[شوال ۱۳۸۷ھ]

مولانا سید حمید الدین فیض آبادی رحمۃ اللہ علیہ

كل من عليها فان ويبقىٰ وجه ربك ذوالجلال والاكرام.

صدمہ کی بات ہے کہ علماء ربانیین کے قافلے بڑی سرعت سے عالم آخرت کی طرف کوچ کررہے ہیں اور یہ سرزمین صالحین کی برکات سے محروم ہوتی جارہی ہے۔

ماہ شعبان ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۵/نومبر ۱۹۶۹ء کو ہندوستان کے ایک جلیل القدر محدث عالم ربانی مولانا سید حمید الدین بن محبوب علی فیض آبادی نے کار کے حادثے میں اپنی جان عزیز جہاں آفریں کے سپرد کی، موحوم حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور دورۂ حدیث میں میرے رفیق ہم نفس تھے، عربی کے ادیب تھے اور شاعر بھی، حضرت مدنیؒ کے بھانجے تھے اور حضرت مدنیؒ سے بیعت بھی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی وطن ہنسور ضلع فیض آباد (یوپی) میں حاصل کی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تحصیل کی اور جو قافلہ حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ساتھ دیوبند سے ڈابھیل ضلع سورت گیا تھا اس کارواں میں شریک تھے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں فراغت پائی اور ۱۶/طلبہ جو ۶۵/طلبہ حدیث میں سے درجہ اولیٰ میں کامیاب ہوئے ان میں آپ تھے، فراغت کے بعد ابتداء کچھ عرصہ سرزمین سندھ کے مقام پیر جھنڈا میں رہے، جہاں حدیث ورجال کے نادر مخطوطات سے استفادہ کا زریں موقع انہیں میسر آیا، پھر مدرسہ انوارالاسلام بہرائچ میں مدرس رہے، اس کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث رہے، آخر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں شیخ الحدیث کے عہدے پر خدمت حدیث

انجام دیتے رہے، دارالعلوم دیوبند سے درس حدیث کی خدمت کے لئے بلائے گئے تھے لیکن شاید نہ آسکے، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر تھے، دہلی سے بذریعہ کار اپنے خاندان سمیت دیوبند مجلس شوریٰ کے اجلاس کے لئے آرہے تھے، مظفرنگر کے قریب ایک ٹرک سے تصادم میں شہید ہوگئے، ممبران مجلس شوریٰ کے اکثر افراد حضرت مولانا محمد طیب صاحب، مولانا محمد میاں صاحب ،مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی، مولانا مرغوب الرحمن بجنوری، مولانا حامد الانصاری غازی وغیرہ حضرات موقع پر پہنچے اور جنازہ دیوبند لایا گیا، نماز جنازہ حضرت مولانا فخرالدین صاحب مرادآبادی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی اور قبرستان قاسمی میں اپنے شیخ عارف مدنی حضرت مولانا سید حسین احمد رحمہ اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ۲۰ ؍سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے تھے اور ۴۳ ؍سال علوم نبویہ کی خدمت کر کے ۶۳ ؍سال کی عمر میں عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے تاکہ رفاقت کا تھوڑا بہت حق ادا ہوسکے لیکن: ؎ داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

ان چند سطروں پر اکتفاء کرتا ہوں۔

اللهم اغفرله وارحمه وارض عنه واحشره مع عبادك الصالحين العلماء العاملين والمحدثين،آمين يارب العلمين

مرحوم برادرمحترم مولانا سید محمد اسعد ابن العارف المدنی کے خسر تھے، اس حادثہ میں مولانا اسعد میاں کے جگر گوشہ عزیزم محمد بھی شدید زخمی ہوگئے تھے، چار پانچ دن کے بعد وہ بھی وفات پاگئے اور اس طرح مولانا سید اسعد کے لئے ذخیرہ آخرت بن گئے۔

اللهم اجعله له ذخرا واجرا وشافعا ومشفعًا.

مولانا شمس الحق فرید پوری رحمۃ اللہ علیہ

مشرقی پاکستان کے مشہور عالم ربانی جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ کے بانی اور شیخ الحدیث مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری طویل علالت کے بعد بروز سہ شنبہ ۲؍ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۱؍جنوری ۱۹۶۹ء کو واصل بحق ہوئے، مرحوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور سرچشمہ سلوک تھانہ بھون سے روحانی فیض حاصل کیا تھا، مخلص وحق گو تھے، بلاخوف لومۃ لائم ہمیشہ اعلان حق کرتے رہے، استقامت رائے، اصابت فکر اور اظہار حق میں فرید و وحید تھے، اپنے وطن فرید پور میں سپرد خاک ہوئے۔

اللھم اغفرلہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ وارفع درجاتہ واجعلہ من عبادك المقربین.

مولانا نصیرالدین غورغشتی رحمۃ اللہ علیہ

مغربی پاکستان کے شمال مغرب میں موضع غورغشتی ضلع کیمبل پور سے بھی علم واخلاص کے جوہر نایاب، تقویٰ وطہارت کے پیکر، صدق وصفا کے مجسمہ، عالم ربانی عارف لاثانی حضرت مولانا نصیرالدین صاحب کی روح مبارک عین اس وقت جب کہ وہ حج بیت اللہ کا عزم کر چکے تھے اور کراچی آنے کے لئے پابہ رکاب تھے ۳/ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲/جنوری ۱۹۶۹ء کو ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحوم حضرت مولانا حسین علی نقشبندی سے روحانی کمالات حاصل کر کے ان کے خلیفہ بن گئے تھے، عرصہ دراز تک علوم نبوت کا درس دیتے رہے، تقریباً چالیس سال سے زیادہ صحاح ستہ، ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ کا درس دیا، علم نبوت کو ذریعہ معاش نہیں بنایا، ہزارہا مخلوق خدا کو فیضیاب فرمایا، غالباً عمر مبارک سوسال سے متجاوز تھی، تمام عمر قال اللہ وقال الرسول کی صدا سے معمور رہی، اس پرفتن دور میں ایسے نفوس قدسیہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے جن کی تمام عمر علم ودین کی خدمت میں گزری ہو، نہ راحت کی فکر، نہ تنخواہ ومشاہروں کا تصور، نہ دولت اور عزت ووجاہت کی آرزو، فقیرانہ زندگی مسجد میں گذاری، درحقیقت اسی قسم کے پاک طینت نفوس مقدسہ ہیں جو علوم نبوت کے وارث اور مسند نبوت کے جانشیں ہیں:

ان للہ عبادا فطنا طلقوا الدنیا وخافوا الفتنا

نظروا فيها فلما علموا   انها ليست لحيّ وطنا
جعلوها لجة واتخذوا   صالح الاعمال فيها سفنا

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ کے کچھ سمجھدار بندے ایسے بھی ہیں جنھوں نے فتنوں سے ڈر کر دنیا کو طلاق دے دی۔
دنیا میں غور کرنے سے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ کسی بھی زندہ مخلوق کا مقام اور وطن نہیں ہے۔
اس لئے انھوں نے دنیا کو ایک غرقاب سمندر سمجھ کر نیک اعمال کے سفینوں سے اسے عبور کیا ہے۔

فاللهم اغفرله وارحمه وأكرم نزله و وسع مدخله وارزقه دارا خيرا من داره وجارا خيرا من جاره وانزل عليه شآبيب رضوانك ونفحات من قديم احسانك فانت المنان وأنت الحنان وانت قد يم الاحسان وأنت ذوالجلال والاكرام وصلى الله على سيد بنى عدنان سيدالمرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين امام الخير وقائدالخير ورسول الرحمة وعلىٰ آله وعترته وأهل بيته وصحبه ومن تبعهم أجمعين إلىٰ يوم الدين.

[ذوالحجہ ۱۳۸۸ھ]

حاجی محمد یعقوب کالیہ رحمۃ اللہ علیہ

انتقال پرملال حاجی محمد یعقوب صاحب کالیہ بتاریخ ۸/مارچ ۱۹۶۹ء مطابق ۱۹/ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ روز شنبہ بوقت فجر (خزانچی مدرسہ عربیہ اسلامیہ ومسجد نیوٹاؤن)

کل نفس ذائقة الموت

بہت افسوس وصدمے کے ساتھ یہ خبر سنی جائے گی کہ ہمارے ہردل عزیز مخلص صاحب لطف وکرم حاجی محمد یعقوب کالیہ دہلوی مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کے خزانچی بتاریخ ۱۹/ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۸/مارچ ۱۹۶۹ء کو وفات پاگئے، إنالله وإنا إليه راجعون۔

موصوف پہلے وہ شخص ہیں جن کے ابتدائی مشورے سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا افتتاح جامع مسجد نیوٹاون میں کیا گیا تھا اور تقریباً مدرسہ کے سات ماہ گزرنے کے بعد راقم الحروف نے موصوف کو مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا خازن مقرر کیا تھا اور جو رقم میرے پاس تھی موصوف کے حوالے کردی تھی، موصوف نے نہایت اخلاص و ہمدردی سے یہ فریضہ انجام دیا اور مدرسہ کی معاونت بھی کرتے رہے، رفتہ رفتہ مدرسہ اور مدرسہ والوں سے محبت واخلاص وتعلق انتہاء تک پہنچ گیا، مجھے حق تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ مدرسہ سے یہ تعلق و ہمدردی موصوف کے لئے آخرت میں رفع درجات کا باعث ہوگی۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ موصوف کی کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور بال بال مغفرت فرما کر

جنت الفردوس نصیب فرمائے، موصوف کی وفات پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے ناظم دفتر جناب حافظ قاری محی الدین احمد مکنون نے قطعہ تاریخ کہا ہے، جو درج کیا جاتا ہے:

صاحب خیر بزرگ اور عزیز طلباء — خازن مدرسہ ومسجد جامع محبوب
دار فانی سے سوئے عالم جاوید گئے — کہ تقاضائے مشیت کا یہی ہے اسلوب
یہ تو ہونا تھا کہ مجبور ہے انسان ضعیف — چاہیے صبر کہ بے صبری ہے غایت معیوب
یہ دعا کیجئے کہ بخشش ہو خدایا ان کی — اور کوثر سے عطا ہو انہیں جام مشروب

سال رحلت میں یہ مکنوں سے ہاتف نے کہا
قصر جنت میں ہے سلطان محمد یعقوب

۱۳۸۸ھ

[محرم الحرام ۱۳۸۹ھ]

مولانا سید احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۵/محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۴/مارچ ۱۹۶۹ء کو یوم دوشنبہ مولانا سید احمد شاہ بخاری اجنالوی کا حادثہ وفات پیش آیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا مرحوم قرآن کریم کے حافظ تھے، معقولات میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب اور ان کے خلف الرشید مولانا ولی اللہ صاحب ''انہی'' والوں سے مہارت حاصل کی تھی، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے عہد مشیخت میں دارالعلوم دیوبند سے فیض علوم نبوت حاصل کیا اور کلام وفلسفہ کی چند کتابیں حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع کاکاخیل سے بھی پڑھیں تھیں، ۱۳۵۲ھ صفر میں دیوبند پہنچ چکے تھے اور حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے جنازہ میں بھی شرکت کی سعادت حاصل کی تھی، نہایت ذکی تھے، طبیعت میں تحقیق کا مادہ تھا، مزاج میں بہت سادہ تھے، تکلف سے بالاتر تھے، زندگی تدریس وتالیف میں خاموشی کے ساتھ گزاری، چارسال جامع محمدیہ (جھنگ) میں مدرس رہے اور سترہ سال مدرسہ دارالہدیٰ چوکرہ (سرگودھا) میں تدریسی، تبلیغی، تالیفی زندگی گذاری اور دارالہدیٰ سے ردشیعیت میں ماہنامہ ''الفاروق'' جاری کیا جو عرصہ ۶، ۷ سال تک دشمنان اسلام کے حملوں کا تابڑتوڑ دفاع کرتا رہا اور دلائل حقہ سے اہل تشیع کو مبہوت کر دیا، ۱۳۸۶ھ سے سرگودھا شہر میں مسجد فاروق اعظم اور دارالعلوم فاروق اعظم کی بنیاد ڈالی، مرحوم رد روافض وشیعیت کے ممتاز عالم تھے، مدح صحابہ میں

نکتہ آفرین طبیعت پائی تھی، ''تحقیق فدک'' ان کی محققانہ تالیف یادرہے گی، ''بسط الیدین'' محمد سبطین شیعی عالم کی کتاب کی تردید میں مشغول تھے، افسوس کہ یہ کتاب نا تمام رہ گئی اور داعی اجل کو لبیک کہ کر واصل بحق ہو گئے: ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

تریسٹھ سال عمر پائی اور آبائی مسکن اجنالہ میں مدفون ہوئے، افسوس کہ اس طرز کے علماء جو سراپا اخلاص بن کر خاموشی کے ساتھ اونچی دینی و علمی خدمات انجام دیتے ہوں رخصت ہو رہے ہیں اور کوئی جانشین نہیں چھوڑتے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون اللهم اغفرله وارحمه واكرم نزله بفضلك وكرمك يا أرحم الراحمين.

[صفر ١٣٨٩ھ]

مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الحمد لله الذى لاباقى الا وجهه ولا راد لقضائه والصلاةوالسلام على
خاتم انبيائه وعلىٰ آله واصحابه واوليائه.

شب یک شنبہ بتاریخ یکم ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۸رمئی ۱۹۶۹ء حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے:

إنا لله وإنا إليه راجعون

مرحوم کا آبائی وطن موضع ''جدیا'' علاقہ چکیسر ریاست سوات تھا، ابتدائی تعلیم وطن ہی میں پائی اور آخری تعلیم مدرسہ امینیہ دہلی میں ہوئی، فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ امینیہ میں مدرس بھی رہے، پھر ضلع مظفر گڑھ کے ایک گاؤں مسکین پور میں حضرت مولانا فضل علی صاحب قریشی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی، جہاں ذکر وشغل کے ساتھ ساتھ حضرت قریشی کے مہمانوں کی خدمت میں کنویں سے پانی نکالنے اور جنگل سے لکڑیاں لانے کا سلسلہ بھی جاری رہا، خوب مجاہدہ نصیب ہوا اور آخر اپنے شیخ کامل کی توجہ سے وہ مقام حاصل کیا جو غالباً شیخ کے مریدین میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا ہوگا، ان مخلصانہ خدمات اور مجاہدات وریاضات نے انہیں اپنے شیخ کا صحیح جانشین بنادیا، بالآخر ہجرت کی نیت سے مدینہ طیبہ پہنچے اور حج وزیارت کے بعد وطن آ کر اپنی تمام جائیداد فروخت کردی اور مدینہ طیبہ میں سید محمود صاحب سے (جو حضرت مولانا

حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی ہیں) تین ہزار ریال میں ایک مکان خریدا، غالباً آدھی رقم تو اسی وقت ادا کردی تھی اور باقی بعد میں ادا کی گئی۔

مدینہ طیبہ میں دوران قیام ہر سال حج کی توفیق ہمیشہ نصیب ہوتی رہی اور عمرے بھی ادا کرتے رہے، آپ کو عمرہ کرنے کا بہت شوق تھا، ہر سال ماہ رمضان میں عمرہ کے لئے جاتے رہے اور مسجد نبوی میں اعتکاف بھی کرتے رہے، یہ اسی عشق کا نتیجہ تھا کہ وفات تک نہ تو حج ترک ہوا اور نہ رمضان المبارک کا عمرہ اور مسجد نبوی کا اعتکاف چھوٹا، اس سال بے حد کمزور تھے لیکن پھر بھی اعتکاف کی سعادت نصیب ہوئی، اعتکاف میں تمام رات تراویح، قیام لیل اور ختمات قرآن میں ان کی فوق العادۃ استقامت قابل رشک تھی، اس دفعہ موسم حج میں غلبہ امراض کی وجہ سے طبیعت انتہائی کمزور تھی لیکن عشق عبادت سے سرشار طبیعت کہاں صبر کرسکتی تھی، چنانچہ سفر عشق کے لئے مدینۃ الرسول سے بلد اللہ الامین کو روانہ ہوگئے، منٰی پہنچتے ہی طبیعت خراب ہوگئی، کسی نہ کسی طرح میدان عرفات میں پہنچ گئے لیکن وہاں بے ہوشی کا سا عالم طاری رہا، عرفات میں سرکاری ہسپتال میں داخل کئے گئے، وہاں سے سرکاری ایمبولینس کار میں مزدلفہ سے منٰی اور وہاں سے مکہ پہنچے، شبری پر طواف زیارت اور طواف وداع فرمایا اور وقوف مزدلفہ اور رمی جمرات کے لئے باوجود توکیل کے دودَم دیئے اور اسی حالت میں مدینہ طیبہ پہنچے، کچھ عرصہ کے بعد کراچی کے مخلصین کے اصرار پر بغرض علاج کراچی تشریف لے آئے لیکن جب معلوم ہوا کہ علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہورہا ہے تو ایک ہفتہ کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور ۷۷رسال کی عمر میں جان جان آفرین کے سپرد کردی۔

مرحوم طبعاً انتہائی متواضع باوفا اور مہمان نواز تھے، صدق وصفا اور اخلاص کے پیکر اور تقویٰ وطہارت، استقامت اور بکثرت عبادت میں یکتا تھے، بیعت وارشاد کے اونچے مقام نے

ان طبعی مکارم اخلاق کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، اصلاحی مواعظ و بیان پر اچھی قدرت تھی، وعظ نہایت مؤثر ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ: ''میں توتوبہ واصلاح کی بیعت کرتا ہوں''، چنانچہ ان کی بیعت سے نہ صرف افراد بلکہ خاندانوں کی اصلاح ہوگئی، سیرتیں اور صورتیں بدل گئیں، ان کی صحبت وتوجہ بھی نہایت مفید ومؤثر تھی، سلسلہ بیعت وارشاد پاکستان وہندوستان کے علاوہ مصر وشام اور ترکی تک پہنچ گیا تھا، سب سے بڑی کرامت اتباع سنت اور استقامت تھی جوفوق الکرامۃ تھی، انتہائی افسوس ہے کہ مدینہ طیبہ میں اپنے رنگ کے دونوں بزرگ تھے، حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا عبد الغفور صاحب عباسی رحمۃ اللہ علیہ، یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہوگئے اور اس طرح مدینہ طیبہ میں سلوک وارشاد کی یہ دونوں مسندیں خالی ہوگئیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت ورضوان ان کی آغوش میں درجات رفیعہ عالیہ نصیب فرمائے۔

فرحمه الله رحمة الأبرار الصالحين والعلماء الربانيين والعباد المقربين.

حضرت مولانا محمد مبین خطیب رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ صالحین وعلماء کے قافلے بہت تیزی کے ساتھ عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں، ۲۷ رمحرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۵/اپریل ۱۹۶۹ء کو مولانا محمد مبین خطیب دیوبندی (مولانا محمد متین خطیب کے والد ماجد) انتقال فرماگئے، مرحوم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ کے قافلہ کے رفقاء سفر میں سے تھے، نہایت صالح اورسن رسیدہ بزرگ تھے، عمر مبارک نوے سال سے متجاوز تھی، متواضع، سنجیدہ اور بااخلاق شخصیت کے آدمی تھے، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرماکر ان کو درجات عالیہ نصیب فرمائے، صحیح بخاری میں حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یذهب الصالحون الأول فالأول ویبقی حفالة کحفالة الشعیر أو التمر لا یبالی اللہ بهم بالة.

(بخاری، کتاب الرقاق، باب ذهاب الصالحین)

یعنی صالحین یکے بعد دیگرے طبقہ بہ طبقہ رخصت ہوتے جائیں گے اور آخر میں ایسے نکمے لوگ رہ جائیں گے جیسے جو یا کھجور کا ردی حصہ رہ جاتا ہے، جن کی اللہ تعالی کے یہاں کوئی قدر وقیمت نہیں ہوگی، جن صالحین کا وجود اس عالم کے لئے باعث رحمت وموجب خیر وبرکت ہے ظاہر ہے کہ ان کے اٹھ جانے سے خیر وبرکت کا وہ حصہ بھی دنیا سے اٹھ جاتا ہے، ”إن للہ ما أخذ وله ما أعطیٰ وکل شئ عنده إلیٰ أجل مسمًّی“

بلاشبہ اللہ کے لیے ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور جو کچھ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔

[ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ]

مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس ہے کہ اہل اللہ کے قافلے عالم آخرت کی طرف جارہے ہیں اور دنیا ان کے انواروبرکات سے محروم ہوتی جارہی ہے۔

۱۳/ذی القعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۲/جنوری ۱۹۷۰ء کو حضرت مولانا محمد انوری کا ''لائل پور'' (فیصل آباد) میں تقریباً ستر (۷۰) سال کی عمر میں وصال ہوا، مرحوم ہمارے دور کے جید عالم اور صاحب سلسلہ بزرگ تھے، جس سال حضرت شیخ الہندؒ کی مالٹا سے واپسی ہوئی اسی سال مرحوم دورہ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب اور حضرت مولانا محمد احمد خلف الرشید حضرت نانوتوی رحمہم اللہ سے حدیث پڑھی، حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے، آپ کے بعد حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت کی اور خلافت واجازت سے مشرف ہوئے، حضرت شاہ صاحب سے خاص شغف وتعلق تھا اس لیے ''انوری'' کہلاتے تھے، بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، بہت سے لوگ آپ کی تعلیم وتربیت سے مستفیض ہوئے۔

فرحمه الله رحمة واسعة، اللهم اكرم نزله ووسع مدخله، وابدله دارا خيرا من داره واهلا خيرا من أهله وتقبل حسناته وارفع درجاته.

صاحبزادہ برادرم مولانا سعید الرحمن اب آپ کے جانشین ہیں، حق تعالیٰ موصوف کو علماً وعملاً وسیرۃً واخلاقاً ان کا جانشین بنائے۔

[محرم الحرام ۱۳۹۰ھ]

مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ

بھوپال کی سرزمین تاریخ کے کسی دور میں علماء وصلحاء اور اہل فضل وکمال کا مرکز رہی ہے، حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کی ہستی انہی ارباب قلوب کی آخری کڑی تھی جن کا فیض اس سرزمین میں جاری وساری تھا اور جن کی صحبت کی برکات سے قلوب معمور ہوتے تھے، تقریباً تیس برس پہلے کی بات ہے کہ راقم الحروف حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی دعوت پر بھوپال گیا تھا، حضرت سید صاحب رحمہ اللہ کی مہمانی کا شرف نصیب ہوا، اس وقت سید صاحب عہدہ قضا اور تین درس گاہوں کے سرپرست کی حیثیت سے بھوپال میں قیام فرما تھے، سید صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ والئ بھوپال کی خواہش ہے کہ یہ سرزمین دوبارہ علمی مرکز بنے، سید صاحب کا اصرار تھا کہ میں بھی ان کی رفاقت اختیار کروں، غرض اس سلسلہ میں پہلی مرتبہ بھوپال جانا ہوا تھا چونکہ میں سید صاحب کا مہمان تھا اور وہ بے حد شفقت فرماتے تھے، جگہ جگہ مجھے لے جاتے تھے، کبھی وزراء سے ملاتے اور کبھی ارباب علم وفضل سے بات کراتے، ایک دن فرمایا کہ یہاں ایک صاحب دل بزرگ مجددی طریقے کے ہیں، آج ان کے ہاں جائیں گے، چنانچہ سید صاحب کی معیت ورفاقت میں حضرت موصوف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، سید صاحب نے راقم الحروف کا تعارف کرایا اور خاموش بیٹھ گئے، نحیف ولاغر بدن، کم گو، خاموش طبع اور باوقار شخصیت، نورانی چہرہ، تبسم بلب، تسبیح بدست، یہ تھے مولانا شاہ محمد یعقوب مجدی، یوں ہی سا نقشہ خیال میں ہے،

اس مجلس کی اور کوئی بات اب یاد نہیں، عرصہ کے بعد برادر محترم جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب زیدت برکاتہم کے قلم سے بعنوان ''ایک دو ساعت با اہل دل'' ماہ نامہ ''الفرقان'' وغیرہ میں بعض ملفوظات موصوف کے نظر سے گذرے، یاد آیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن سے کچھ عرصہ پہلے ملاقات وزیارت کا شرف نصیب ہوا تھا۔افسوس کہ موصوف ۱۴ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ پنجشنبہ کی صبح بعمر ۸۷ سال بھوپال میں واصل بحق ہوئے اور اس طرح ہندوستان کی سرزمین ایک اور صاحب دل بزرگ سے خالی ہوگئی، إنا لله وإنا إليه راجعون۔

انتہائی صدمہ ہے جو جاتا ہے اس کی مسند خالی ہوجاتی ہے، جن کی زیارت سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے: ''وخيار عباد الله اذا رؤوا ذكر الله'' اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے وہ ہیں جن کے دیدار سے اللہ یاد آتا ہے، جن کی صحبت سے دلوں کی اصلاح ہوتی ہے اور جن کے انفاس سے مسیحا نفسی کا کام جاری رہتا ہے، دنیا کے گوشے گوشے سے اللہ تعالیٰ کے ایسے نیک بندوں کے قافلے عالم آخرت کی طرف تیزی سے جارہے ہیں، يذهب الصالحون الأول فالأول وتبقى حفالة كحفالة التمر۔

حق تعالیٰ کی رحمتیں ان کی روح اور قبر پر نازل ہوں، رحمت ورضوان اور روح و ریحان کی بشارتوں سے مالا مال ہوں، الفرقان لکھنو کے ذریعہ وفات کا علم ہوا، تفصیلات کے لئے الفرقان بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ دیکھا جائے۔

[رجب ۱۳۹۰ھ۔ستمبر ۱۹۷۰ء]

عالم آخرت کے دو مسافر

مولانا سید محمد طلحہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ

رجب المرجب ۱۳۹۰ھ کے مبارک مہینے کی ۲۳ ر تاریخ کو مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۷۰ء جمعہ کے مبارک دن میں دو صالح بزرگ عالم آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے:

إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

صبح نو بجے ایک بزرگ اور شام تین بجے دوسرے بزرگ، ایک نماز جمعہ سے پہلے اور دوسرے نماز جمعہ کے بعد، پہلے بزرگ حضرت مولانا سید طلحہ تھے جو حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے چشم و چراغ تھے، کریم النفس، خفیف الروح، خوش طبع، خوش مذاق، عربی علوم کے فاضل روزگار، عقلی و نقلی علوم کے ماہر، ادب و تاریخ کے شہسوار، انگریزی زبان کے گریجویٹ، عربی ادب کے عاشق، اردو ادب کے دلدادہ، متواضع بردبار، باوفا، سراپا اخلاص، مودت شعار افادہ واستفادہ کے حریص، مجلسی لطائف میں باغ و بہار اور بے تکلف، ان کمالات وخصائل کے باوصف، مزاج میں بڑی سادگی اور صاف ولی تھی، دوسروں کے کمالات کے بے حد معترف رہا کرتے، کسی کے ادنیٰ کمال کے اعتراف میں کبھی بخل نہ کرتے، حسد ونفاق سے سینہ صاف تھا، نیک نیتی و خیر خواہی میں اپنی نظیر آپ تھے، تاریخ کی شخصیات کے دانائے راز تھے، ٹونک کے ''مدرسہ

ناصریہ''میں تعلیم پائی تھی، دو بڑی ممتاز شخصیتوں کے ممتاز شاگرد تھے: ۱۔حضرت مولانا حیدرحسن خاں ٹونکی مرحوم ۲۔حضرت مولانا سیف الرحمن مہاجر افغانی، حضرت امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیدائی اور ڈاکٹر اقبال مرحوم کے دوستوں میں تھے، ہمارے محترم گرامی قدر مولانا ابوالحسن علی کے پھوپھا تھے، عرصہ دراز تک لاہور میں اورنٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر رہے، ایک عرصہ سے کراچی میں مقیم تھے اور مولانا طفیل احمد کے دارالتصنیف سے وابستہ ہوگئے تھے اور انگریزی تراجم سے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے انتخاب کی خدمت میں مشغول تھے، حق تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ان پر، ان کی قبر پر، اور ان کی روح پر ہوں، آمین۔

مولانا عبدالشکور کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ

دوسرے بزرگ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب موضع بہبودی ضلع کیمبل پور علاقہ چھچھ کے رہنے والے تھے، مستند عالم، خوش بیان واعظ، سراپا اخلاص اور مجسم زہد وتقویٰ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے زمانے میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور سے فارغ التحصیل ہوئے، فراغت کے بعد وہیں مدرس ہوئے اور آخر میں وہاں شیخ التفسیر کے عہدے پر فائز ہوئے، تمام زندگی بے سروسامانی میں گذاری، جو علماء ربانیین اور علماء آخرت کی بڑی نشانی ہے، عرصہ دراز سے صحت خراب ہوچکی تھی، راولپنڈی میں عرصہ تک علاج جاری رہا، آخر اس فانی دنیا سے اکتا کر عالم آخرت کا رخ کیا اور پنڈی میں واصل بحق ہوگئے اور اپنے مسکن اصلی بہبودی ضلع کیمبل پور میں اس امانت الٰہی کو سپرد خاک کیا گیا۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت ومغفرت ورضوان سے مالا مال فرمائے، آمین۔

كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام.

[رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ۔نومبر ۱۹۷۰ء]

مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

الحمد للہ الذی لہ البقاء وکتب علی غیرہ الفناء والصلوۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین وسید الرسل الاتقیاء محمد وآلہ الأصفیاء وصحبہ الأذکیا مادام تھمی العیون بالبکاء وتسلی القلوب بالعزاء، وبعد:

۲۱ رشعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ راکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے گیارہ بجے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری۔ بانی خیر المدارس ملتان۔ اس عالم فانی سے رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بلاشبہ موت وحیات اس عالم کون وفساد کا خاصہ ہے، یہاں جو آیا وہ رہنے کے لئے نہیں بلکہ جانے کے لئے ہی آیا، آنا اور جانا سنت بنی آدم ہے اور ''کل نفس ذائقۃ الموت'' حق تعالیٰ کا تکوینی امر ہے، جس سے کسی کو بھی مخلص نہیں، یہاں صبر وضبط، تسلیم وانقیاد اور رضا بالقضا کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیء عندہ بأجل مسمی

تاہم بعض شخصیتیں قافلۂ ہستی کے لئے مینارہ نور ہوتی ہیں، ان کے وجود مسعود سے علم ودانش، زہد وتقویٰ اور یقین ومعرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں اور ان کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار قائم رہتا ہے، ان کے جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہوجاتا ہے کہ مستقبل میں ان کے پُر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، حضرت مولانا مرحوم کا شمار انہی جامع الکمالات ہستیوں میں

تھا، وہ نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے بلکہ بڑے عاقل ومتین اور مدبر ومنتظم تھے، علم ووقار کا مجسمہ اور خدا ترسی وللّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے، ان کی موت عقل ودانش، حلم ووقار، تدبرو انتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے، ان کے وجود سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی تھی، ارشاد وتلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح وتربیت کی محفلیں آباد وبارونق تھیں، پاکستان کے مرکزی اور تاریخی شہر ملتان میں ان کا مدرسہ خیر المدارس اسم بامسمّٰی تھا، جہاں تعلیم وتدریس کے ساتھ تزکیہ نفوس، اصلاح، اخلاق اور تربیت قلوب کی طرف بھی توجہ تھی، صورت کے ساتھ روح بھی تھی، صفائی معاملات میں خصوصی امتیاز تھا، یوں حضرت مرحوم کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھی، آپ حضرت حکیم الامت (قدس اللہ سرہ) کے خلیفہ مجاز اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے لیکن حضرت مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ اس وقت ملا جب کہ دینی درس گاہوں کی تنظیم ''وفاق المدارس'' کی بنیاد پڑی اور وفاق المدارس کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت وہم نشینی کے مواقع میسر آئے، انہیں جذبات سے بالاتر اور طیش وغضب سے پاک دیکھا، ان کے رگ وریشہ میں عقل ودانش اور حلم وتدبر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، خفیف الجسم اور لطیف الروح تھے، بڑی قابل قدر ہستی تھی، حق تعالیٰ ان کو عفو ومغفرت اور رحمت ورضوان کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمائے۔ صاحبزادگان گرامی مولانا حافظ رشید احمد، مولانا حافظ محمد شریف اور مولانا حافظ عبدالحق کو حضرت مرحوم کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے آثار باقیہ کو قائم ودائم رکھے۔

ایک حدیث میں ہے:

يذهب الصالحون الأول فالأول ويبقى حفالة كحفالة الشعير أو التمر لا يباليهم الله بالة. (بخاری، کتاب الرقاق، باب ذهاب الصالحين)

نیک لوگ یکے بعد دیگرے اٹھتے جائیں گے اور (انسانیت کی) تلچھٹ پیچھے رہ جائے گی جیسا کہ ردی جو اور کھجور رہ جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کی کوئی پرواہ نہیں کرے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے:

ان اللہ تعالی لایقبض العلم انتزاعا ینتزعه من قلوب العباد ولکن یقبضه بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤوساً جهالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلو. (مشکوۃ، کتاب العلم)

بے شک اللہ تعالیٰ اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے، بلکہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھاتا رہے گا، یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی باقی نہیں چھوڑے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے سوالات ہوں گے، وہ بغیر جانے بوجھے فتوے دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بقائے انسانیت کا مدار دو چیزوں پر ہے علم صحیح اور عمل صالح۔

یہ دونوں چیزیں انسانیت کے بنیادی جوہر ہیں اور ان دونوں کی موت درحقیقت انسانیت کی موت ہے، جو حضرات علم و عمل کے جامع اور انسانیت کے اعلیٰ نمونہ ہیں، ان کے بتدریج اٹھتے چلے جانے سے یہ دونوں چیزیں اٹھتی جارہی ہیں اور انسانیت بتدریج دم توڑ رہی ہے، کسی زمانے میں کافروں سے جو اخلاقی نمونے دیکھنے میں آتے تھے، اب وہ مسلمانوں میں بھی بمشکل نظر آتے ہیں، نصف صدی پہلے کے فاسق وفاجر جس بلندئ کردار کا مظاہرہ کرتے تھے وہ آج کے بہت سے صالحین میں مفقود ہے اور کچھ عرصہ پہلے کے اُمی اور جاہل خداترسی

ودین شعاری کا جونمونہ پیش کرتے تھے وہ آج کے اہل علم ودانش کے یہاں عنقا ہے، جس طرح انسانوں کی جسمانی صحت نسلاً بعد نسلٍ کمزور ہوتی جارہی ہے اسی طرح اخلاقی صحت بھی دن بدن رو بہ زوال ہے، آج کل عام طور پر انسان انسان نہیں، انسانیت کی چلتی پھرتی لاشیں ہیں، جو حیات مستعار کا بار کندھوں پر اٹھاتے پھر رہی ہیں اور فضائے بسیط کو اپنے تعفن سے مسموم کررہی ہے:

نیستند	آدم	خلاف	آدم اند
ایں	بہائم	درغلاف	آدم اند

اجل مسمی (موت) کا ہاتھ انسانیت کے دسترخوان سے قیمتی دانوں کو بتدریج اٹھاتا جارہا ہے اوراب انسانیت کے ڈھیر میں خال خال حضرات ایسے نظر آتے ہیں جو انسانیت کے اخلاقی جوہر کے امین ہوں، جن کے سیرت وکردار کو دیکھ کر انسانی سیرت کی نوک پلک درست کی جائے۔

ان اکابر کے سانحہ ارتحال کا ایک المناک پہلو یہ ہے کہ امت ان فیوض وبرکات سے محروم ہوجاتی ہے جن کا تعلق ان کی ذات سے ہوتا ہے، ان کی دعائے نیم شبی، بارگاہ خداوندی میں ان کی گریہ وزاری، پوری امت کے لئے ان کا سراپا سوز وگداز، صلاح امت کی فکر اور لگن یہ چیزیں ان کی ذات ہی کے ساتھ رخصت ہوجاتی ہیں اور امت کے لئے اس نقصان کی کوئی تلافی ناممکن ہوجاتی ہے۔

علاوہ ازیں ہر بزرگ کے ساتھ تعلق مع اللہ کی ایک نسبت قائم ہوتی ہے، جو امت میں قبول حق کی ایک خاص استعداد پیدا کرتی ہے، اس نسبت کے ختم ہوجانے کے بعد قبول حق کی استعداد کا رنگ وہ نہیں رہتا ہے جو پہلے تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی صحبت ومعیت کی وجہ سے ایمان ویقین کا جو نقشہ تھا، نزول وحی کے مشاہدہ سے جو کیفیت حاصل ہوتی

تھی، جبرئیل علیہ السلام کی آمد سے جوملکوتی اثرات قلوب پرنازل ہوتے تھےاوراس کی وجہ سے تعلق مع اللہ کی جونسبت قائم ہوتی تھی، دورِنبوت کے بعداسے آخرکس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے!اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئےحضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ومانفضنا ایدینا من التراب إلّا أنكرنا قلوبنا.

(ترمذی، ابواب المناقب، باب ماجاء في فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ہم ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ بھی نہ ہو پائے تھے کہ ہمارے قلوب کی وہ کیفیت باقی نہ رہی۔

غروب آفتاب کے بعد آپ روشنی کے ہزاروں وسائل جمع کرلیں،مگر وہ روشنی اور حرارت جو وجودآفتاب سے حاصل ہوتی ہے کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی، اسی طرح خلافت راشدہ کے چاروں ادوار میں نسبت مع اللہ کا رنگ بدلتا رہا، دورصدیقی کی برکات کبھی واپس نہ آسکیں، نہ دورفاروقی کی نسبت کوواپس لیا جاسکا۔

فرض کیجئے ایک مکان میں بےشمار قمقمے روشن ہیں، جواپنی تابانی اورضیاپاشی میں مختلف ہیں، اگران کو یکے بعد دیگرے گل کردیا جائے تو تدریجاً روشنی مدھم ہوتے ہوتے یکسرختم ہوجائے گی اور پورے ماحول پرتاریکی کے مہیب سائے منڈلانے لگیں گے، اسی طرح اہل اللہ کا وجود اس کائنات کے لئے رشد وہدایت کی قندیل ہے، جوں جوں اہل اللہ اس عالم سے روپوش ہوتے جارہے ہیں ہدایت کا نور مدھم پڑتا جارہاہے آورآہستہ آہستہ یہ کائنات کفروضلالت کی تاریکیوں کی لپیٹ میں آتی جارہی ہے اورقلوب سے نوریقین مٹتا جارہاہے اورجب رشد وہدایت کی ایک بھی شمع باقی نہیں رہے گی اور ہرچہارجانب سے تاریکی چھاجائے گی تواس عالم کی بساط کولپیٹ دیا جائے، ارشادنبوی ہے:

لاتقوم الساعة حتی لایقال فی الأرض اللہ! اللہ!.

(مسلم، کتاب الایمان)

لاتقوم الساعۃالاعلی شرارالخلق.

(مسلم، کتاب الامارۃ)

قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا ہے۔
قیامت اس وقت قائم ہوگی جب کہ صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس سے مقصود صرف یاس اور حسرت کے آنسو بہانا نہیں بلکہ اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ جتنے با خدا بزرگ موجود ہیں ان کے وجود کو غنیمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ استفادہ کی کوشش کی جائے، افسوس ہے کہ دنیا میں فتنوں پر فتنے بڑھتے جارہے ہیں اور جن حضرات کا وجود ان فتنوں کے لئے سدراہ تھا وہ بتدریج اٹھتے جارہے ہیں۔

حق تعالیٰ کے مقبول بندوں کو مرنے کا غم نہیں، وہ تو مرنے کی خوشی میں جیتے ہیں، رسوال اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

تحفة المؤمن الموت. (مشکوۃ، کتاب الجنائز)

مومن کا تحفہ موت ہے۔

ان کی زندگی کا ایک ایک دن موت کے انتظار میں کٹتا ہے، موت کا دن ان کے لئے فرح وانبساط اور خوشی اور مسرت کا دن ہوتا ہے؟ ان کے نزدیک موت ہی وہ پل جسے عبور کرکے وہ اپنے محبوب حقیقی تک پہنچ سکتے ہیں، وہ اسی مقصد کے لئے جیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الکیس من دان نفسه وعمل لما بعدالموت والعاجز من اتبع نفسه هواها وتمنی علی الله الأمانی. (مشکوۃ، کتاب الرقاق)

دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے
تیاری کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے دوڑائے اور اللہ
پر جھوٹی آرزوئیں باندھے۔

وصلى الله على صفوة البرية سيد الكائنات وخاتم النبيين محمد وآله
وأصحابه أجمعين.

[شوال المکرم ۱۳۹۰ھ-دسمبر ۱۹۷۰ء]

مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

۲۴ رصفر ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱ راپریل ۱۹۷۱ء بروز بدھ علمی ودینی دنیا کوایک عظیم سانحہ پیش آیا، اس دن ظہر کے بعد چار بجے فون پر اطلاع ملی کہ حضرت مولانا محمد علی جالندھری ۲ ربج کر بیس منٹ پر ملتان میں واصل بحق ہو گئے :

إنا لله وإنا إليه راجعون

حضرت مولانا جالندھری مرحوم دور حاضر کے علماء دین میں بڑی خوبیوں کے آدمی تھے، عالم، عاقل، مدبر، ذکی، مجاہد، جفاکش، متواضع، باوقار اور انتھک جدوجہد کرنے والے انسان تھے، ان تمام علمی ودینی کمالات کے ساتھ نہایت منکسر المزاج اور خاموش طبع لیکن بے مثل مقرر اور پرجوش خطیب تھے، جب کسی جلسہ گاہ کے اسٹیج پر تقریر شروع کرتے تو معلوم ہوتا کہ خاموش سمندر کی موجوں میں یکا یک بلا کا تلاطم شروع ہو گیا، تقریر نہایت مدلل ومؤثر ہوتی، موضوع سے باہر کبھی نہ جاتے، مخاطبین وسامعین کو سمجھانے کی فوق العادۃ قوت حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی، ٹھوس علمی مسائل کی تشریح اور مثالوں سے ذہن نشین کرانے میں اپنے عصر میں بے نظیر تھے، اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت کے جانثار، ردقادیانیت کے امام اور رفض وتشیع اور بدعت والحاد کی تردید میں یکتا تھے، چار چار گھنٹے بے تکان بولتے تھے اور عوام وخواص میں یکساں مقبول تھے۔

مرحوم نے نصف صدی سے زیادہ بیش بہا دینی، علمی اور سیاسی خدمات انجام دیں،

عرصہ دراز تک امام الخطباء حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق کار رہے اور اس سے پہلے عرصہ تک حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے خیر المدارس میں دست راست رہے، ملتان میں مرکزی دفتر ختم نبوت کی ایک لاکھ کی شاندار عمارت یادگار چھوڑی جو دعوت وارشاد کا مرکز اور مبلغین ختم نبوت کی تربیت گاہ ہے، اس کے علاوہ مغربی پاکستان میں ختم نبوت کے مراکز قائم کئے اور ان میں دفتر، ٹیلیفون اور مبلغین کا انتظام کیا۔

مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز فارغ التحصیل امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اور حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری سے بیعت کا شرف حاصل کیا تھا۔ یاد پڑتا ہے کہ تیس سال قبل لاہور کی ایک کانفرنس میں جو جناب محمود خاں لغاری کی کوشش سے ہورہی تھی مولانا مرحوم کی تقریر پہلی بارسنی اور وہیں حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سنی تھی، پاکستان بننے کے بعد مختلف مجالس میں اور مجلس ختم نبوت کی شوریٰ کے متعدد اجتماعات میں انہیں نہایت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، بلاشبہ ان کی وفات موجودہ وقت میں جبکہ سر پر قادیانیت والحاد کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں، امت اسلامیہ اور مسلمانان پاکستان کے لئے بڑا دردناک سانحہ ہے:

مصائب شتی جمعت فی مصیبة
ولم یکفها حتی قفتها مصائب

آپ کی موت کے حادثہ میں کئی مصیبتیں جمع ہوگئیں ہیں اور اس کے بعد تو گویا لگا تار مصائب پر مصائب شروع ہوگئے۔

حق تعالیٰ کی مشیت ہر چیز پر غالب ہے، علمی ودینی دور ختم ہوتا جارہا ہے اور جہل وبے دینی کا دور بڑی سرعت سے آرہا ہے، فالی اللہ المشتکی۔ حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت ورضوان کے

اعلیٰ مقام پر فائز فرما کر جنت الفردوس نصیب فرمائے، ان کی تمام زلات وسیات معاف فرمائے اور جدید نسل اوران کے اخلاف کو ان کی جانشینی کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ]

مولانا خدا بخش ملتانی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ میں جناب مولانا خدا بخش صاحب ملتانی واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم حق گو، مخلص عالم تھے، سادہ لباس، سادہ مزاج لیکن پختہ دماغ، پختہ علم تھے، مہمان نواز، عمدہ مقرر، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے عشاق وعقیدت مندوں میں تھے، حق تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ سے جنت الفردوس سے سرفراز فرمائے۔

مولانا سید محمود احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ میں جناب مولانا سید محمود احمد صاحب مدنی کا وصال ہوا، جو قافلہ ٹھیک ۷۵؍سال قبل فیض آباد ہندوستان سے مدینہ منورہ ہجرت کرکے پہنچا تھا، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے والدین اور بھائی، اس کاروان کا یہ آخری مسافر تھا جو آخرت کے سفر پر روانہ ہوا، عقل و تدبر، متانت و وقار و سنجیدگی میں بے نظیر تھے، حسن اخلاق و کرم نفس و تواضع کا کمال مرحوم کو وراثت میں ملا تھا، جس طرح حضرت مدنی رحمہ اللہ اخلاق و مجاہدات میں، علم و فضل میں، میدان سیاست کی شہسواری میں ممتاز تھے اور جس طرح حضرت مولانا مدنی کے بڑے بھائی حضرت سید احمد بانی ''المدرسة الشرعية ليتامى بلدة خير البرية'' اپنی باطنی نسبت و بزرگی میں اور توجہ قلبی میں ممتاز تھے، اسی طرح ان دونوں کے یہ برادر خورد مولانا سید محمود احمد صاحب اپنی ذہانت و انتظامی معاملات، حسن سلیقہ و تواضع میں ممتاز تھے، مرحوم عالم تھے، ادیب تھے اور عربی کے شاعر بھی تھے، تحصیل علوم مدینہ طیبہ میں کی تھی، ۸؍سال کی عمر میں مدینہ پہنچے تھے، ۷۵ سال قیام کے بعد بعمر ۸۳؍سال واصل بحق ہوئے، مرحوم کے جانشین و یادگار جناب مولانا سید حبیب احمد صاحب ہیں، جو اپنے والد محترم کے کمالات کے صحیح وارث ہیں اور مدینہ طیبہ کے نائب امیر ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالی مرحوم کو اپنی مغفرت و رحمت و رضوان میں آسودگی نصیب فرمائے، آمین۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ]

مولانا محمد عثمان ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

گذشتہ ماہ یکم جمادی الاخری ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۵ رجولائی ۱۹۷۱ء کو ہمارے ایک محب ومحبوب، جوان صالح، سراپا اخلاص عالم، برادر مولانا محمد عثمان صاحب ہزاروی کا حادثہ وفات پیش آیا، مرحوم دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے شرف بیعت بھی حاصل کیا اس طرح علم وعرفان کی دونوں نسبتیں حضرت مدنی سے نصیب ہوئیں، حضرت مدنی کے کسی خلیفہ مجاز سے شرف اجازت بھی حاصل ہوا، اسی زمانہ میں کراچی آئے ان دنوں ہمارے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کا ابتدائی دور تھا، تربیت وتکمیل کا درجہ کھولا تھا، فارغ التحصیل حضرات کو حجۃ اللہ البالغہ، مقدمہ ابن خلدون، اتقان اور علوم قرآنی کی مشکلات کا درس دیا جاتا تھا، علاوہ ازیں فقہ مذاہب اربعہ کی تحقیق ابن رشد کی بدایۃ المجتہد کا مطالعہ، تاریخ ادب عربی، ادب کی کتابت وخطابت کی تمرین وغیرہ مضامین تھے، مرحوم نے باقاعدہ طور پر یہ مرحلہ بھی طے کیا، کچھ عرصہ بعد مدرسہ فرقانیہ راولپنڈی کے صدر مدرس وشیخ الحدیث اور ایک جامع مسجد کے خطیب ہوئے اور چند دن بعد اسلام آباد میں مدارس تعلیم القرآن جو برادر محترم اختر حسن صاحب (وزارت داخلہ کے سیکشن افسر) کی جدوجہد سے وجود میں آئے تھے، ان کی نگرانی واہتمام کے فرائض بلا معاوضہ انجام دینے لگے، مزاج میں سادگی، تواضع، مسکنت، اصلاح وتقویٰ اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے تھے، طبیعت کا معصومانہ انداز، بھولے پن کے ساتھ وقار اور غناء قلبی

قابل رشک تھا، کراچی کی حاضری کا سالانہ معمول تھا، افسوس ہے کہ عصر حاضر کے علماء اور خصوصاً نوجوان اہل علم میں یہ خصوصیت بہت کم نظر آتی ہیں، کسی عربی شاعر نے ٹھیک کہا ہے:

الموت نقاد علی کفه
جواهر یختار منها النقاد

موت کی مثال اس جوہری کی ہے جس کے ہاتھ میں جواہرات ہوں جو عمدہ ہو اس کو چن لیتا ہے۔

برادر مرحوم سے ان کے خصائص و اخلاص کی وجہ سے کچھ قلبی ربط ایسا پیدا ہو گیا تھا کہ ہر وقت وہ سامنے رہتے تھے اور اب بھی اکثر ان کی یاد قائم رہتی ہے بلکہ ستاتی ہے:

اے ہم نفسان محفل ما
رفتید ولے نہ از دل ما

حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرما کر رحمت و رضوان کے اعلیٰ مقامات نصیب فرمائے۔

شیخ محمد نصیف رحمۃ اللہ علیہ

اوائل رجب ۱۳۹۱ھ میں سرزمین حجاز کے ایک ممتاز و وجیہ عالم اور عربی النسل رئیس الشیخ محمد نصیف کا جدہ میں انتقال ہوا، مرحوم جدہ کے قدیم ترین باشندے تھے، ان کے آباؤ اجداد عہد عثمانی میں بہت معزز تھے، حبشہ سے جو سیاہ فام مخنث غلام درآمد کئے جاتے تھے اور عہد عثمانی میں حرم سرا کی خدمت یا حرمین شریفین کی خدمات کے لئے جن کو منتخب کیا جاتا تھا جنہیں خواجہ سرا یا عامی عربی میں اغوات۔ آغا کی جمع۔ کہا جاتا ہے، ان کی دینی تعلیم وتربیت اور آداب خدمت آموزی کا فریضہ اسی خاندان کے سپرد تھا، اسی وجہ سے سلاطین آل عثمان کے ہاں ان کے اسلاف کی بڑی عزت تھی، سعودی حکومت کے پہلے فرمانروا ملک عبدالعزیز مرحوم کے بھی ان سے برادرانہ تعلقات تھے، جدہ میں جب تک سرکاری عمارات نہیں بنی تھیں، شاہ عبدالعزیز مرحوم انہی کے مہمان ہوتے تھے، شاہ سعود بن عبدالعزیز سے بھی یہی تعلق رہا اور حجاز و نجد کے موجودہ حکمران شاہ فیصل سے بھی خوشگوار تعلقات تھے۔

مرحوم انتہائی کریم النفس اور با اخلاق عالم تھے، جود وسخا کا پیکر، متانت ورزانت کا مجسمہ، دراز قامت، خوبرو، دوہرا بدن، باوقار شخصیت، جاذب نظر صورت، شگفتہ مزاج، خوش اخلاق اور خوش پوش۔

ایک عظیم الشان کتب خانے کے مالک تھے جس میں سولہ ہزار کتابیں جمع تھیں، قلمی

نوادرات کا بھی بڑا ذخیرہ تھا، مطالعہ سے عشق اور کتابوں کی عمدہ سے عمدہ جلد بندی کا خصوصی ذوق تھا، مراکش سے انڈونیشیا تک کے اہل علم سے روابط وتعلقات تھے، موسم حج میں ان کا دولت خانہ اس علم کا مہمان خانہ بن جاتا تھا۔

اصل سے شافعی المذہب تھے، لیکن حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سبھی قسم کے اساتذہ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اس لئے مذہبی تعصب سے بالا تر تھے، حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم رحمہما اللہ کے شیدائی تھے، آخر میں سلفی مسلک کے ہو گئے تھے، علم وعقل اور وجاہت وریاست کے باوجود شان وتکبر سے دور تھے اور مزاج میں انتہائی شگفتگی تھی، ہر قوم کے لطائف سنایا کرتے تھے، انہیں دیکھ کر عرب علماء اور عرب اسخیاء کی یاد تازہ ہوتی تھی، عمر اسی (۸۰) سے متجاوز تھی، مرحوم سے میرے روابط ۱۳۵۶ھ سے تھے، افسوس کہ تقریباً پینتیس سالہ ربط چشم زدن میں ختم ہوا۔

آنکھوں کے لئے آپریشن کے لئے لندن گئے تھے مگر آپریشن نہیں کرایا، دو ہفتہ بعد واپس لوٹ آئے، آتے ہوئے چند دن لبنان میں قیام رہا، جدہ واپس ہو کر ایک ہفتہ بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہو گئے۔ شاہ فیصل کے حکم سے ولی عہد نے جنازہ میں شرکت کی۔ حق تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت ومغفرت سے سرفراز فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے۔ معلوم ہوا ہے کہ مرحوم کی وصیت کے مطابق ان کا عظیم الشان کتب خانہ جدہ کی جامعۃ عبدالعزیز الاہلیہ میں منتقل ہوا ہے، اوران کا ذاتی مکان ''بیت نصیف'' شاہ فیصل خریدنا چاہتے ہیں، ایک محترم نے جو مرحوم کے رشتہ دار ہیں لکھا ہے کہ شاید دے دیا جائے گا۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ-اکتوبر ۱۹۷۱ء]

مولانا محمد رسول خاں ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ میں حضرت مولانا محمد رسول خاں صاحب کی وفات سے درس وتدریس کی ایسی جامع ترین شخصیت کی جگہ خالی ہوگئی کہ آئندہ صدیوں میں بھی اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں، مرحوم معمر ترین بزرگ اور استاذ الکل عالم تھے، جن کی زندگی کے تقریباً اسی (۸۰) برس تعلیم وتدریس میں گذرے، جن میں پورے بیس سال تو دارالعلوم دیوبند کا عہد تدریس ہے۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت تحصیل علم کے بعد مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ میں مدرس ہوئے، چند سالوں کے بعد دارالعلوم دیوبند کے اکابر وارباب اہتمام کی خواہش پر دارالعلوم ہی میں مدرس مقرر ہوئے اور پہلا درس شرح وقایہ کا ہوا جس میں ان کا امتحان ہوا، اس درس میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحب رحمہ اللہ وغیرہ اکابر واساتذہ سب شریک ہوئے، موصوف نے معرکہ کا درس دیا اور دارالعلوم میں ان کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی۔ مرحوم کو حدیث میں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور معقولات کی آخری کتابیں اپنے ہم وطن حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی سے پڑھی تھیں اور انہی کتابوں میں وہ اپنے استاذ کے صحیح جانشین ہوئے، دارالعلوم کے آخری علمی دور میں اصول فقہ، معقول وفلسفہ کی انتہائی کتابیں قاضی مبارک، حمد اللہ، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت،

صدرا، شمس بازغہ جن دو بزرگوں کے درمیان دائر وسائر تھیں اور وہ بہ سبیل تناوب انھیں پڑھایا کرتے، ان میں ایک حضرت مرحوم تھے اور دوسری شخصیت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کی تھی، جو ان علوم وفنون کے امام تھے، آخری چار کتابوں میں دونوں بزرگوں سے راقم الحروف کو شرف تلمذ حاصل ہے، مرحوم درسیات کے محقق عالم تھے، مقبول ومنقول دونوں کے بہترین مدرس تھے، حسن تعبیر پر بڑی قدرت حاصل تھی لیکن تعبیرات معقولی طرز کی ہوتی تھیں، بات نہایت منقح فرمایا کرتے تھے، خوب صورت، خوش پوش، خوش لقاء، متواضع باوقار بزرگ تھے، آخر تک تمام خصوصیات قائم رہیں، تقریباً چالیس سال کا عرصہ لاہور میں گذارا، چند سال اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم مشرقی میں ''مولوی فاضل'' کی کتابیں پڑھائیں، آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام رہا، دور حاضر کوئی عالم ایسا نہیں ہوگا جو بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کا شاگرد نہ ہو، ضلع ہزارہ کی تحصیل ''بفہ'' میں ایک گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام اچھڑیاں ہے، حضرت مولانا غلام رسول صاحب بھی اسی علاقہ بفے کے باشندے تھے جو معقولات میں آپ کے استاذ تھے، ویسے تو سب ہی جانے کے لئے آتے ہیں لیکن صدمہ اس کا ہے کہ آئندہ جو دور آرہا ہے اس میں ایسی باکمال شخصیتوں کے کمالات کا ادراک بھی نہیں ہو سکے گا، آپ کی وفات سے ہندو پاک کی ایک صدی کی علمی تاریخ کی بساط الٹ گئی، آپ کی رحلت علم وتقویٰ، درس وتدریس، حسن ادا، تواضع ووقار سنجیدگی ومتانت وغیرہ کمالات کی رحلت ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ حضرت استاذ مرحوم کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائے، آمین۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وارض عنہ وعاملہ معاملۃ الأبرار والصالحین من عبادك الأخیار بفضلك وکرمك یا عزیز یا غفار آمین یا رب العلمین.

مولانا حکیم سید عبدالجبار حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ رمضان المبارک کی پندرھویں تاریخ کو ہمارے دوست ومخلص طبیب، صالح ومتواضع باخدا ہستی مولانا سید عبدالجبار صاحب حیدرآبادی کا انتقال ہوا، مرحوم سراپا شفقت وتواضع تھے، علماء وطلبہ کو مفت دوائیں دیا کرتے تھے اور مفت علاج فرمایا کرتے تھے، ریڈیو پر ان کا درس قرآن اور مضامین ومقالات سب ہی عوام سے قبولیت کا خراج تحسین حاصل کر چکے تھے، بعارضہ قلب وفات ہوئی۔ حق تعالیٰ مرحوم کے اخلاص وپاکیزہ زندگی کا اجر عظیم عطا فرمائے اور مغفرت ورحمت ورضوان سے سرفراز فرمائے، آمین۔

مولانا عرض محمد بلوچستانی رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ رمضان المبارک میں ہمارے دوست بلوچستان کے مجاہد عالم اور مصلح اور مخلص حق گو، جری رہنما، مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا عرض محمد صاحب ریلوے لائن پر تصادم سے شہید ہوئے، اناللہ۔ عرصہ سے بیمار تھے، ضیق النفس وغیرہ امراض کا شکار تھے، موسم سرما گذارنے کے لئے سبی آئے تھے، صبح ہوا خوری کی غرض سے باہر گئے، کچھ دماغی دورہ سا پڑا، احساس نہ ہوسکا، ریلوے لائن عبور کررہے تھے کہ ایک انجن نے آکر ان کو شہید کردیا اور جان آفرین کو اپنی جان عزیز سپرد کرکے واصل بحق ہوگئے اور اس طرح یہ دردناک واقعہ شہادت پیش آیا جو مرحوم کے لئے علو درجات کا ان شاء اللہ تعالیٰ بہترین وسیلہ ہوگا۔

رضی اللہ عنہ وارضاہ جعل الجنۃ متقلبہ ومثواہ، آمین.

مولانا محمد خلیل انگوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ شعبان ۱۳۹۱ھ کے آخری عشرہ میں ۱۲/ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو مولانا محمد خلیل صاحب انگوی کا انتقال ہوا، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کی وفات کے بعد سند فراغت حاصل کی تھی اور حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا، خانقاہ موسیٰ زئی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے روحانی بیعت کا تعلق قائم تھا، مظہر العلوم کھڈہ (کراچی) وزیر آباد (پنجاب) سجاول (سندھ) جامعہ قادریہ رحیم یار خاں (بہاولپور) جامعہ محمدیہ (جھنگ) کے مختلف علمی درس گاہوں میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک مختلف علوم دینیہ کی خدمت تدریس انجام دی، فرق باطلہ کی تردید خصوصاً مرزائیت وقادیانیت کی تردید میں شمشیر بے نیام تھے، مختلف امراض میں آخر عمر میں گرفتار ہو گئے، نشتر ہسپتال ملتان میں زیر علاج تھے، یہیں انتقال ہوا، مرحوم ایک سنجیدہ، با اخلاق، خاموش و باوقار عالم، خوب صورت، خوش سیرت انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت اور رحمت و رضوان سے سرفراز فرمائے، آمین۔

حریفان بادہ ہا خوردند و رفتند
تھی خم خانہا کردند و رفتند

كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام

[شوال ۱۳۹۱ھ-دسمبر ۱۹۷۱ء]

مولانا حافظ حکیم عبدالمجید لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ

گزشتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ کی ۲۶ اور فروری ۱۹۷۲ء کی ۱۲ ر تاریخ کو پاکستان ایک عالم ربانی سے محروم ہوا، مولانا حافظ حکیم عبدالمجید صاحب لائل پوری نابینا کی وفات ہوئی، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحوم نے باوجود بصارت کے نہ ہونے کے نہایت التزام کے ساتھ تمام درس نظامی کی کتابوں سے فراغت پائی اور ہمیشہ اپنے حلقہ درس میں ممتاز رہے اور اکثر اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے، حق تعالیٰ نے بصارت کی نعمت کی جگہ تمام علوم اسلامیہ عربیہ میں بصیرت عطا فرمائی تھی۔ علوم اسلامیہ کے فاضل تھے، انگریزی کے گریجویٹ تھے، حاذق طبیب تھے، عمدہ خطیب اور کامیاب مناظر تھے، ردقادیانیت میں ممتاز تھے، علم وعلماء اور علمی کتابوں کے محب صادق تھے، سنجیدہ، باوقار، قدیم وجدید کے مجمع البحرین تھے، ان سب کمالات کے ساتھ اخلاص کی نعمت سے سرفراز تھے، الغرض بڑی خوبیوں کے مالک تھے، بینائی کی معذوری کی وجہ سے طالب علمی میں ایک معاون رفیق طالب علم کو ساتھ رکھتے تھے اور اس کے مصارف بھی برداشت کرتے تھے، ابتدائی کتابیں غالباً اپنے وطن میں پڑھیں، پھر دیوبند پہنچے اور دارالعلوم کے فیض سے سیراب ہوئے، ادب کی ایک کتاب میں ۴۷ ر سال قبل میرے ہم درس بھی رہے اور اتفاق سے اس کتاب کے ایک امتحان میں ۱۰۵ ر طلبہ میں ہم دونوں ممتاز ترین نمبروں سے ایک درجہ

میں کامیاب ہوئے اور پورے نمبروں سے ۵ نمبر زائد ملے، یہ وہ دور تھا کہ ایک سال بعد امام العصر حضرت مولانا انور شاہ رحمہ اللہ دارالعلوم کے عہدہ صدارت سے مستعفی ہو گئے تھے اور ڈابھیل ضلع سورت میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین قائم ہوا اور وہاں تشریف لے گئے تھے، مجھ سے ایک سال بعد حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی خدمت میں درس صحیح بخاری شریف کا فیض حاصل کیا اور حدیث کی بقیہ کتابیں وہیں ڈابھیل میں پڑھیں، ان کے مفاخر کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ امام العصر رحمہ اللہ کے درس میں یہ طریقہ تھا (اور عام طور سے عربی مدارس میں یہی طریقہ ہے) کہ جو شخص پہلے بسم اللہ پڑھے گا وہی استاذ کے سامنے اس دن پڑھے گا، ایک دن حافظ صاحب نے بسم اللہ کی، حضرت شیخ یہ سمجھے کہ شاید کسی اور کے لئے باری حاصل کرنے کے لئے یہ سبقت کی ہوگی، مگر جب پڑھنے کا وقت آیا تو حفظ سے عبارت پڑھنا شروع کی اور کہا ''حدثنا'' حضرت شیخ نے نہایت مسرور ہو کر فوراً فرمایا ''مرحبا''۔ اس روز غالباً صحیح بخاری کی ''کتاب العلم'' شروع تھی اور حسب معمول روزانہ درس بخاری شریف کا ورق ڈیڑھ ورق سبق ہوتا تھا، حافظ صاحب مرحوم نے بغیر کسی جھجک کے اس دن کے سبق کی پوری عبارت پڑھی، گویا کتاب سامنے رکھ کر پڑھ رہے ہیں، نہ حافظ صاحب مرحوم سے کسی ایک لفظ میں غلطی ہوئی نہ سبق اس مقام تک پہنچ سکا جہاں تک حافظ صاحب نے رات کو یاد نہ کیا ہو۔ آج تک یہ معمہ حل نہ ہو سکا کہ حافظ صاحب نے اس ایک رات میں کتنا حصہ صحیح بخاری شریف کا یاد کیا تھا۔ ان کے ''حدثنا'' اور حضرت شیخ کی ''مرحبا'' کی آواز اب تک میرے کانوں میں گویا گونج رہی ہے، اس سال میں حضرت شیخ کے ساتھ سفر کشمیر سے واپسی پر دوبارہ ڈابھیل پہنچا تھا اور کتاب الایمان اور کتاب العلم صحیح بخاری کا درسِ شیخ سنا اور پھر وطن چلا آیا تھا۔

عام طور سے جن حضرات کو بصارت سے محرومی ہوتی ہے، حق تعالیٰ ان کو قوت حافظہ اور

بصیرت زیادہ عطا فرما دیتا ہے، حافظ صاحب مرحوم کو قوت حفظ اور قلبی بصیرت میں زیادہ خصوصیت عطا فرمائی تھی، میں اس واقعہ کے ذکر سے ان کا حق رفاقت ادا کرنا چاہتا ہوں۔ حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور رضوان ورحمت سے سرفراز فرمائے اور ان کی علمی خدمات اور دینی جذبے کا اپنے لطف بے انتہا کے مطابق صلہ عطا فرمائے۔

آمین یا أرحم الراحمین.

وصلی اللہ علی سید العالمین وخاتم النبیین وامام المتقین محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین.

[صفر المظفر ۱۳۹۲ھ - اپریل ۱۹۷۲ء]

مولانا فخر الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰/صفر ۱۳۹۲ھ مطابق ۵/اپریل ۱۹۷۲ء کو حضرت مولانا فخر الدین احمد طویل علالت کے بعد مراد آباد میں وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

افسوس کہ مسلمانان ہند اور علماء اسلام کا ایک درخشندہ تارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، آپ دارالعلوم دیو بند کے شیخ الحدیث تھے اور عصر حاضر کے جلیل القدر محدث، محقق عالم اور باخدا بزرگ تھے، دارالعلوم دیو بند کے اکابر مشائخ اور مسند صدارت حدیث کے ممتاز افراد جن کا سلسلہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے شروع ہوا تھا وہ سلسلہ حضرت مولانا فخر الدین رحمہ اللہ پر بظاہر ختم ہو گیا، کامل ایک صدی میں علوم نبوت کے آفتاب و ماہتاب جن سے دارالعلوم کی چار دیواری میں بلکہ تمام عالم اسلام میں علم کی شعاعیں پہنچتی رہیں آپ اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے اور اب تک اکابر دیو بند اور خصوصاً مسند مشیخت حدیث پر جو حضرات متمکن تھے علم و معرفت کے دونوں چشموں سے سیراب تھے اور ظاہر و باطن دونوں نسبتوں کے حامل تھے، موصوف اس حلقہ کے آخری فرد تھے، اب ایسی شخصیت جو اس مسند کو زینت دے ہماری نظروں میں نہیں۔

موصوف نے ۱۳۲۹ھ میں دارالعلوم دیو بند سے فراغت حاصل کی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ اور امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

دونوں سے فیض حاصل کیا اور دونوں چشموں سے سیرابی نصیب ہوئی، سنجیدگی، وقار، متانت ورزانت، ظاہری سطح میں سکون اور باطنی گہرائیوں میں جوش وخروش کی نعمتوں سے مالا مال تھے، خوش رو، خوش پوش، خفیف الروح، لطیف الجسد تھے، غالباً چوبیس برس پہلے مدینہ طیبہ میں پہلی مرتبہ حضرت مولانا عبدالحق مدنی مرحوم کے مکان پر شرف ملاقات نصیب ہوا تھا، یہ ملاقات پہلی بھی تھی اور آخری بھی، پھر غائبانہ موصوف کے مفاخر و ماثر کا حال معلوم ہوتا رہا، اکابر محدثین اور ممتاز اکابر مدرسین کا نمونہ تھے، جن کی زندگی کے پورے باسٹھ سال درس وتدریس میں گذرے، درس حدیث میں حافظ بدرالدین عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہا اللہ کے علوم کا نچوڑ اپنی تقریر میں پیش کرتے تھے اور حضرت دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خصائص کی جھلکیاں نظر آتی تھیں، ان کی تالیف "القول الفصیح فی نضد ابواب الصحیح" تو قدوذ کاء کا ایک عمدہ نمونہ ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قیامت کے قرب کے علامات سے جہاں اور مختلف فتنے سرعت سے ظاہر ہو رہے ہیں، وہاں علمی انحطاط کی رفتار ان سے بھی زیادہ سریع ہے، ان اکابر کے قافلے نہایت تیزی سے سفر آخرت پر روانہ ہو رہے اور علمی مراکز ویران ہوتے جا رہے ہیں۔

نہ جانے آج تک یہ جانے والے ہیں کہاں جاتے
کھلی ہیں جب سے آنکھیں دیکھتے ہیں کارواں جاتے (۱)

غفر الله له ورحمه رحمة الأبرار الصالحين وحشره فى زمر العلماء الربانيين.

(۱) (أی تفصیلاً و تعییناً، واما اجمالاً فنعلم أنهم يروحون اما إلى الجنة واما إلى النار۔ مدیر)

وفات اہلیہ محترمہ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہما

آج پانچواں دن ہے کہ یوم چہار شنبہ ۴/ربیع الاول ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹/اپریل ۱۹۷۲ء بوقت تین بجے شام ''بصائر وعبر'' کے خامہ فرسائی کرنے والے بنوری کی اہلیہ شدید علالت کے بعد داغ مفارقت دے کر سفر آخرت پر روانہ ہوگئی:

إنا للّٰه وإنا إليه راجعون

رات کے ۸/بجے عشاء سے قبل جمعیت پنجابی سوداگران کے قبرستان میں (مقام یوسف پورہ کراچی) سپرد خاک ہوئی، پشاور کے عزیزوں سے لے کر جنوبی افریقہ کے احباب ومخلصین کے تعزیتی پیغامات بذریعہ تار موصول ہورہے ہیں، سب کا شکر گذار ہوں جزاھم اللہ احسن الجزاء اور بصائر وعبر کے قارئین کرام سے دعا مغفرت اور بقدر فرصت وہمت ایصال ثواب کا امیدوار رہوں، إن اللّٰه لا يضيع أجر المحسنين۔

درس سرائے بہار وخزاں بہم آغوش است
زمانہ جام بدست وجنازہ بردوش است

مرحومہ کے حق میں ارحم الراحمین کی بارگاہ رحمت میں رحمۃ للعالمین کی زبان میں یوں نواسنج ہوں:

أللهم هذه أمتك وبنت أمتك وعبدك تشهد أن لا الٰه إلّا أنت وحدك

لاشريك لك وتشهد أن محمدا عبدك ورسولك، اصحبت فقير الی رحمتك وأصبحت (وانت) غنياً عن عذابها تخلت عن الدنيا وأهلها ان كانت زاكية فزكها وان كانت مخطئة فاغفرلها وادخلها الجنة وأعذها من عذاب القبر وعذاب النار اللهم لاتحرمنا اجرها ولا تضلنا بعدها وصلى الله علی صفوة البرية سيد الشاكرين وسيد الصابرين امام المتقين وخاتم النبيين وعلیٰ آله وأزواجه وذريته وأصحابه أجمعين.

[ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ-جون ۱۹۷۲ء]

مولانا حبیب اللہ گمانی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مراد آبادی رحمہ اللہ کی وفات کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی بہاول پوری کے صدمہ وفات نے آنکھوں کو ازسرنو اشکبار اور دل کو بے قرار بنا دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہندوستان کا ایک علمی ستارہ غروب ہوا ہی تھا کہ پاکستان کا ایک درخشندہ کوکب بھی غروب ہوگیا اور اس طرح علمی انوار کے غائب ہوجانے کی وجہ سے دونوں ملکوں میں اندھرا چھانے لگا۔

حضرت مولانا حبیب اللہ گمانی زہد وتقویٰ کے پیکر تھے، تواضع واخلاص کے مجسمہ تھے، سادہ مزاج، سادہ پوش، سادہ نوش باخدا بزرگ تھے، ایک عالم ربانی کی جو خصوصیات ہوسکتی ہیں ان کا بہترین مظہر تھے، دارالعلوم دیو بند کے مایہ ناز فاضل تھے، حضرت استاذ امام العصر محدث کشمیری مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ میاں والی داں پھچر ان کے ارشد خلفاء میں سے تھے، اپنے قصبہ گمانی میں ایک دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی تھی، اپنے گھر سے تمام طلبہ کے لئے روٹی سالن پکواتے اور مہمانان رسول کو کھلاتے تھے، پھر درس گاہ کے ابتدائی درجات کو وہیں چھوڑ کر علمی درس گاہ مدرسہ انوریہ کے نام سے (حضرت الاستاذ امام العصر کے نام پر) مقام طاہر والی بہاول پور میں قائم کی تھی جو علمی واخلاقی تربیت میں ممتاز تھی، راقم الحروف کو چند لمحوں کے لئے حاضری کا اتفاق ہوا تھا، بارہا حج

بیت اللہ الحرام اور زیارت حرمین شریفین کا شرف حاصل کیا اور وہاں کی تجلیات الہیہ اور نفحات نبویہ سے مالا مالا ہوئے تھے، اس مادی دنیا میں اور اس پر آشوب زمانہ میں ایسے باخدا درویش صفت بزرگ عالم کا وجود دنیائے علم وعمل دونوں کے لئے سایہ رحمت ہوتا ہے، ان کا باوقار وجود، سراپا اخلاص، زہد وتواضع کی عظیم تمثال آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے، حب مال اور حب جاہ کا غالباً خطرہ بھی ان کے دل پر نہ گذرتا ہوگا اور ارباب قلوب کے لئے ان کی شخصیت اور باکمالات ہستی مقناطیس کا اثر رکھتی تھی۔

راقم الحروف جب مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے بالکل ابتدائی دور میں غیر آباد مسجد کے گوشے میں درس صحیح بخاری دیا کرتا تھا تو مرحوم بارہا آتے اور درس میں بیٹھا کرتے تھے، اس زمانہ میں سوء اتفاق سے کوئی تعارف وتعلق نہ ہوسکا۔ عرصہ دراز کے بعد ایک دن تعارف کرایا اور درس صحیح بخاری میں تشریف لانے کا ذکر فرمایا گویا اس طرح راقم کا امتحان لیا گیا اور الحمد للہ کہ اپنے شیخ محترم کی جوتیوں کے صدقے اللہ تعالیٰ نے رسوانہیں فرمایا۔ الغرض دور حاضر کے علماء کے امراض سے بالکل مبرا تھے اور علمی امراض بحث وجدال ومراء وریاء سے بالاتر تھے، دوتین ماہ سے علیل تھے، ملتان کے نشتر ہسپتال میں زیر علاج رہے اور اپنے آبائی وطن گمانی میں واصل بحق ہوئے اور طاہر والی میں مدفون ہوئے۔ افسوس وصد افسوس کہ گلستان وفضل کے یہ بار آور پودے اکھڑ رہے ہیں اور نئے پورے لگ نہیں رہے ہیں، اس طرح سفینہ علم کے یہ ملاح تیزی سے سفر آخرت پر جارہے ہیں، یہ گلستان اجڑ رہا ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ:

”اتخذ الناس رؤوسا جهالا فافتوا بغير علم فضلوا و أضلوا“ کا زمانہ تیزی سے آرہا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبدالعزیز ساہیوال والے رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ اسی ماہ میں مولانا گمانی کے بعد مولانا عبدالعزیز صاحب ساہیوال والے انتقال فرما گئے، مرحوم حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے، تبلیغی سرگرمیوں بھی تعلق تھا، حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ کے تبلیغی قافلوں میں ایک سال کا وقت گذاراا اور انہی قافلوں میں انگلستان کا سفر بھی کیا تھا۔

فرحمه الله رحمة واسعة وأفاض عليه من شآبيب رحمته ورضوانه.

مولانا عبدالجبار ابوہرمنڈی والے رحمۃ اللہ علیہ

اسی ماہ میں ایک اور مخلص عالم مولانا عبدالجبار ابوہرمنڈی والے سفر آخرت پر چل بسے، مرحوم کو تعلیم بنات اور تربیت نسواں سے شغف تھا، چنانچہ چشتیاں ضلع بہاول نگر میں لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی ایک باقاعدہ منظم درس گاہ قائم کی تھی، سینکڑوں لڑکیاں زیر تعلیم تھیں اور بعض لڑکیاں درس نظامی کی کتابیں بھی پڑھتی تھیں ''من وراء حجاب'' ان کو تعلیم دی جاتی تھی، پھر اس درس گاہ کی ایک شاخ ملتان شہر میں قائم کی جو بہت کامیابی سے چل رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں ان نفوس طاہرہ پر جنھوں نے اپنے زندگیاں دینی تعلیم، دینی تبلیغ، دینی تربیت کے لئے وقف کیں۔

افسوس کہ علمی بستیاں اجڑ رہی ہیں اور ان کا ماتم کرنے والا بھی کوئی نہ رہا،

انا للہ وانا الیہ راجعون فرضی اللہ عنہ وارضاہ وجعل الجنة متقلبه ومثواه.

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ۔جولائی ۱۹۷۲ء]

سید جلیل الرحمن دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰؍ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ مطابق ۳؍جون ۱۹۷۲ء یوم شنبہ بوقت عصر حرکت قلب بند ہونے سے ہماری مجلس احباب کے ایک مخلص رکن سید جلیل الرحمن ہم سے جدا ہو گئے، انا اللہ۔

موصوف دہلی کے مشہور سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے، شہرۂ آفاق مطبع مجتبائی دہلی کے مالک سید عبدالاحد صاحب مرحوم کے پوتے تھے، اپنے اسلاف کی طرح کریم النفس، شریف الطبع، باوقار، سنجیدہ، مہمان نواز تھے، خوش پوش، خوش خوراک، خوش رو تھے، عبادت گذار، ذکر و شغل کے پابند، قابل رشک خشوع سے نماز پڑھنے والے تھے، حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ سے بیعت اور براہ راست فیض یافتہ تھے، اس قحط الرجال کے دور میں ایسے بااخلاق، کریم الخصال مخلص کی جدائی سے جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے، مرحوم کی اہلیہ ۶ ماہ قبل داغ مفارقت دے چکی تھیں، جس سے باوجود صبر و استقامت کے ان کا دل ہل چکا تھا اور یہی قلبی صدمہ جان لیوا ثابت ہوا، مرحوم کو دل کا دورہ ہوا تو اسی وقت راقم الحروف کو یاد کیا، چھوٹے صاجزادے فوراً لینے کے لئے پہنچے، میں نماز عصر میں تھا، جب فارغ ہو کر وہاں پہنچا تو روح پرواز کر چکی تھی۔

حق تعالیٰ ان کی روح کو اپنی مغفرت ورحمت کی دولت سے مالا مال فرمائے اور پسماندگان اور احباب واقربا کو صبر جمیل سے نوازے۔

افسوس کہ دو تین ماہ سے مسلسل بصائر وعبر کے صفحات ماتم سرائی کے لئے وقف ہو گئے ہیں بلکہ سچ پوچھئے تو ایک عرصہ بینات کے ''بصائر وعبر'' ماتم ہی ماتم میں مشغول ہیں، کبھی ملک

وملت کی نوحہ خوانی کی جارہی ہے، کبھی ملک وملت کے افراد کی جدائی کی مرثیہ خوانی ہورہی ہے، کبھی پاکستان کا مرثیہ، کبھی پاکستانیوں کا مرثیہ، گویا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سارا جہاں حزن وملال کی داستان بن گیا ہے، باغ وبہار کا دور ختم ہوا اور اب خزاں کا موسم ہے، قصہ پارینہ کے بجائے آج عہد نو سے سینے کے داغ تازہ ہیں، ''قدس'' ہوکہ ''سویز''، ''عراق'' ہو یا ''شام''، ''پاکستان'' ہو یا ''عربستان'' ہرطرف ماتم ہی ماتم ہے، گویا جہاں تمام ماتم کدہ بن گیا ہے، کسی نے خوب کہا ہے:

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکان نہیں
جو یہاں مقیم تھے کل کے دن کہیں آج ان کا نشاں نہیں

یہ سرائے دہر قیام ہے یہ رواروی کا مقام ہے
جسے یہ خیال ہے خام ہے جو ثبات چاہو تو یاں نہیں

یہ مدام موسم گل کہاں کرے کوئی کیا گلۂ خزاں
یہ ستم ہے گردش آسماں بچے اس سے پیر و جواں نہیں

یہ ہر ایک قبر پہ بے کسی بزبان حال ہے کہہ رہی
تمہیں آنکھ چاہئے غافلو! مجھے احتیاج بیاں نہیں

جو مثال طوطے خوش بیان دم گفتگو تھے گہرفشاں
وہ پڑے ہیں ایسے خموش یاں کہ دہن میں گویا زباں نہیں

یہ جہاں خلیل ہے بے بقا نہیں یاں بھروسہ حیات کا
وہ ہے کون باغ جہاں میں گل چلی جس پہ بادخزاں نہیں

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ-اگست ۱۹۷۲ء]

مولانا قاضی عبدالرب رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ مطابق اواخر جون ۱۹۷۲ء میں ہمارے ایک مخلص صالح عالم جناب قاضی عبدالرب صاحب کا انتقال ہوا، موصوف زیارت کا کا صاحب علیہ الرحمۃ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور کے باشندے تھے، کریم النفس، سنجیدہ، باوقار اور تعلق ومحبت میں نہایت وفادار بزرگ تھے، مزاج میں سادگی مسکنت اور تواضع تھی، معمولات کے نہایت پابند تھے، زندگی میں قانع تھے، ضیق النفس کے مرض میں عرصہ سے مبتلا تھے، مرض سے پہلے باوجود معمر ہونے کے جوان ہمت تھے، غالباً ۸۵ / برس کی عمر پائی، پشاور میں وفات ہوئی اور اپنے آبائی گاؤں زیارت کا کا صاحب علیہ الرحمۃ میں حضرت کا کا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں مدفون ہوئے۔ حق تعالیٰ درجات عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا حافظ حبیب اللہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

ماہ جمادی الاخری ۱۳۹۲ھ میں مولانا حافظ حبیب اللہ صاحب کی جو عارف باللہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے تھے، مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی۔ حرمین شریفین کے مہاجر تھے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے چشمہ فیض سے سیراب ہوئے، غالباً تیس سال سے حرمین میں مقیم تھے، زیادہ تر مدینہ طیبہ میں اقامت رہی، ابتداء مدرسہ علوم شرعیہ میں حسبۃً للہ تدریس کی خدمت بھی انجام دیتے رہے، چند سال جامع ترمذی بھی پڑھائی، آخر میں حرم مدینہ میں تفسیر ابن کثیر پڑھایا کرتے تھے۔ زندگی کے آخری چند سال مکہ مکرمہ میں بسر کئے، عابد وزاہد اور دنیا کی راحتوں سے بے نیاز تھے، نہایت خاموشی اور گمنامی کے ساتھ حرمین شریفین کی زندگی بسر کی اور حرمین شریفین کی برکات سے مالا مال ہوئے، جنت معلیٰ کے پرانوار مقبرہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان کی قبر اور جسد مبارک پر ہوں، آمین۔

مولانا عبدالرحیم اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

نہایت رنج وافسوس کے ساتھ یہ خبر درج کی جاتی ہے کہ ہمارے قابل قدر بزرگ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کے نوجوان ونوعمر صاجزادے مولانا عبدالرحیم صاحب بعارضہ قلب پرسوں بروز چہار شنبہ ۵؍رجب ۱۳۹۲ھ رخصت ہوگئے: اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نہایت خوش مزاج، خوش اخلاق، جواں صالح تھے، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور پسماندگان اخوان کرام کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازے، آمین۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ-اکتوبر ۱۹۷۲ء]

حاجی ابراہیم میاں سملکی رحمۃ اللہ علیہ

ہمارے ایک محترم اور معزز بزرگ جناب حاجی ابراہیم میاں صاحب سملکی (ضلع سورت) ۲۹/ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ یوم شنبہ کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سملک ڈابھیل کے ایک خدا رسیدہ عابد وزاہد عمر رسیدہ بزرگ تھے، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے عاشق اور سچے جاں نثار تھے، جب تک حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ زندہ تھے روزانہ بلاناغہ ان کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے، بڑی قناعت کی زندگی بسر کی، ابتدائی دور میں سملک وڈابھیل کا جو قافلہ جنوبی افریقہ پہنچا تھا موصوف اپنے چند برادران حقیقی کے ساتھ اس قافلہ کے ایک مسافر تھے، کاروبار تجارت شرکت سے شروع کیا لیکن بہت جلد مرحوم واپس آ گئے، کچھ عرصہ بعد کمپنی کو نفع ہوا اور مرحوم کا حصہ مرحوم کو بھیجا مگر لینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ میرا نام کمپنی سے خارج کر دیا جائے مجھے یہاں اپنی زمینداری کی معیشت کافی ہے، آخر عمر تک اسی پر گذارہ کیا، مرحوم ہمارے کرم فرما مخلص احباب جناب حافظ عبدالرحمن میاں اور مولانا عبدالحق میاں اور مولانا حافظ محمد شفیع میاں کے والد محترم تھے، اول الذکر جنوبی افریقہ میں قابل قدر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور میاں عبدالحق صاحب تمام گجرات میں دینی مدارس، تعلیم مساجد اور دینی اداروں کی قابل قدر خدمات میں نہ صرف مشغول ہیں بلکہ منہمک ہیں۔ یہ سب کچھ حضرت حاجی صاحب مرحوم کی توجہات اور حسن تربیت کا نتیجہ ہے۔ حافظ عبدالرحمن

میاں تجارت میں مشغول تھے، ان کو حکم دے کر تجارت سے نکالا اور دینی خدمت میں لگا دیا، ان کے مبارک ہاتھوں سے بفضلہٖ تعالیٰ اچھے اچھے کام انجام پذیر ہوئے ،راقم الحروف کی تالیف ''معارف السنن'' کی طباعت کا سہرا موصوف کے سر پر ہے، خدا کا شکر کہ:

این خانہ ہمہ آفتاب است

اسی خاندان کے ایک فرد مولانا محمد بن موسیٰ میاں رحمہا اللہ نے ''المجلس العلمی'' کی بنیاد ڈالی ہے، جس نے تیس چالیس سال کے عرصہ میں علم حدیث اور علوم نبوت کی قابل قدر خدمات انجام دیں، ''نصب الر ایة فی تخریج أحادیث الهدایة'' چار ضخیم جلدوں میں اور ''فیض الباری شرح صحیح البخاری'' چار ضخیم مجلدات میں اسی مجلس علمی کا کارنامہ ہے اور حال ہی میں حدیث نبوی کی قدیم ترین اور علمی اور اعلیٰ ترین کتاب امام حدیث عبدالرزاق بن ہمام صنعانی المتوفی ۲۱۱ھ کی کتاب ''المصنف'' گیارہ ضخیم جلدوں میں چار لاکھ روپیہ کے صرف سے بیروت میں طبع کرائی:

ایں کار از تو آید و مردان چنیں کنند

اس کتاب کے تعارف کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ مستقل مقالہ لکھا جائے گا، امام حدیث عبدالرزاقؒ امام ابو یوسفؒ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبلؒ کے استاذ اور امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ ہیں رحمہم اللہ جمیعاً۔ یہ کتاب آج پہلی مرتبہ وفات مصنف کے تقریباً بارہ ۱۲/ سو سال بعد زیور طبع سے آراستہ ہوئی، کاغذ اس کے لئے جس اعلیٰ ترین معیار کا چاہا بیروت میں نہیں ملا، لندن سے خریدا گیا۔ آج تک اس معیار طباعت و اعلیٰ ترین کاغذ پر حدیث وتفسیر کی کوئی کتاب مصر و بیروت یا یورپ میں طبع نہیں ہوئی:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

بہرحال اس باتوفیق خاندان نے دین کی بڑی قابل قدر خدمت کی اور ملوک وسلاطین جو کام انجام نہ دے سکے اس خاندان کے افراد نے انجام دیئے۔حق تعالیٰ ان خدمتوں کوقبول فرمائے اوران کے لئے ذخیرہ آخرت فرمائے،حضرت حاجی ابراہیم میاں مرحوم اس خاندان کے بزرگ تھے۔

غفر الله له و رحمه و رضى عنه وارضاه وجعل الجنة متقلبه ومثواه،آمين يا رب العلمين وصلى الله على سيدنا خاتم النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين.

[صفرالمظفر ۱۳۹۳ھ-اپریل ۱۹۷۳ء]

آغا عثمان جان مجددی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ غیر حاضری کے اس مختصر عرصے میں چند بابرکت ہستیاں ہم سے جدا ہوگئیں، صدر المشائخ آغا عثمان جان مجددی واصل بحق ہوئے جو حضرت نور المشائخ مولانا فضل عمر مجددی فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے اور حضرت مولانا محمد صادق مجددی مدنی کے بھتیجے تھے اور جناب ضیاء المشائخ مولانا محمد ابراہیم جان المجد دی العمری کابلی کے بڑے بھائی تھے، عرصہ سے لاہور میں مقیم تھے، یہیں انتقال ہوا۔

مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ

جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ کو جناب مولانا لال حسین اختر امیر مجلس تحفظ ختم نبوت کا انتقال ہوا، مرحوم نے نوعمری میں ہی مرزائیت سے تائب ہوکر اپنی تمام تر صلاحیتیں ردمرزائیت میں نہایت اخلاص واستقلال سے صرف کیں، انگریزی، عربی، اردو تینوں زبانوں میں نہ صرف پاکستان میں بلکہ یورپ اور اسٹریلیا میں بھی بے نظیر خدمتیں انجام دیں اور مرزائیت وعیسائیت کی بیخ کنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اکابر کی دعاؤں نے ان کی خدمات میں مزید رنگ قبولیت عطا فرمادیا تھا۔

مولانا پیرخورشیداحمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ کومولانا پیرخورشیداحمد رحمہ اللہ کا وصال ہوا، مرحوم کی عمر سوسال سے متجاوز بتلائی جاتی تھی، حضرت شیخ المشائخ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اسیر مالٹا رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کر چکے تھے، اجازت وخلافت جانشین شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ سے حاصل تھی ،مرحوم نہایت سادے، متواضع ، صاحب استقامت بزرگ تھے۔ جب کراچی تشریف لاتے تو مدرسہ اسلامیہ ہی کو شرف قیام نصیب ہوتا تھا۔

حافظ ابوالحسن پشاوری رحمۃ اللہ علیہ

مکہ مکرمہ میں حافظ حاجی ابوالحسن پشاوری مہاجر مکی جنہوں نے چالیس سال کا طویل عرصہ ہجرت نہایت اخلاص کے ساتھ عبادت اور تقویٰ میں گذارا تھا جمعہ کے دن ماہ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ میں وفات پائی۔

حاجی حبیب احمد پاکولا والے رحمۃ اللہ علیہ

کراچی میں ہمارے محسن و مخلص دوست حاجی حبیب صاحب پاکولا والے بمرض سرطان رخصت ہو گئے، لندن بغرض علاج تشریف لے گئے تھے، واپسی پر عمرہ کا ارادہ رکھتے تھے، احرام کی چادریں ساتھ لے گئے لیکن وہیں بعارضہ قلب دفات ہوئی نعش کراچی لائی گئی اور میوہ شاہ کے قبرستان میں مدفون ہو گئے۔

اللهم اغفرلهم و ارحمهم وعافهم واعف عنهم واكرم نزلهم وأدخلهم الجنة و قهم عذاب القبر وعذاب النار وصلى الله على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه وصالحي عباده أجمعين الى يوم الدين.

[جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ-اگست ۱۹۷۳ء]

مولانا گل بادشاہ طوروی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ صوبہ سرحد کے ممتاز جید عالم، سیاسی مفکر مولانا گل بادشاہ صاحب طوروی طویل علالت کے بعد سہ شنبہ ۸ ر جمادی الاخریٰ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۰ ر جولائی ۱۹۷۳ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سنجیدہ، باوقار، پختہ عالم تھے، پشتو زبان کے خطیب ومقرر تھے، زندگی کا اکثر حصہ صوبہ سرحد کی سیاسی خدمات میں گذارا، برطانوی دورحکومت میں مسلسل سات برس اسارت کی زندگی گذاری، اس طویل عرصہ میں گوناگوں مصائب وحوادث ان پر گذرے، ان کو صابرًا محتسباً برداشت کیا اوران کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہیں آئی، تمام زندگی ان کی ابتلاء اور پریشانیوں میں گذری، کیا مجال ہے کہ کبھی حرف شکایت زبان پر آیا ہو، ہرابتلاء کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا، مرحوم دارالعلوم دیوبند کے عمدہ فاضل تھے، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس اللہ سرہ کے اجل تلامذہ میں سے تھے اوران سے ظاہراً وباطناً، قلباً وقالباً وابستہ تھے، ابتدا سے مزاج سیاسی پایا تھا، لیکن علمی ذوق وشناسائی سے کافی بہرہ ور تھے، ابتدا سے جمعیت علماء ہند سے وابستہ تھے، پاکستان بننے کے بعد حضرت مدنی رحمہ اللہ سے استفسار کیا کہ اب ہمیں کس انداز سے کام کرنا چاہیئے؟ فرمایا کہ ''پاکستان کے وفادار رہ کر دینی وسیاسی خدمت جس طرح ملکی مصالح کا تقاضا ہو کرنی چاہیئے''، اسی نصیحت پر قائم رہے اور صدر جمعیت علماء ہند

سرحد سے لے کرآ خر تک امیر جمعیت علماء اسلام سرحد رہے، اسلام کے وفادار سپاہی اور سیاسی مجاہد، پاکستان کے سیاسی خادم، زندہ دماغ، حساس دل، مفکر مزاج، دردمند طبیعت، جفاکش، بے لوث خادم، نڈر عالم تھے، اردو کے اچھے مقرر، پشتو کے عمدہ ادیب تھے، خطابت میں سنجیدگی، معلومات، پرمغز تھے۔

افسوس کہ اس دور میں ایسے باخدا عالم، مخلص جاں نثار، جفاکش، جری، بہادر سپاہی بہت کم ہیں بلکہ کبریت احمر سے کم نہیں ہیں، مرحوم ۶۰ رسال کی عمر میں رخصت ہوگئے اور دنیا کی راحتوں میں سے کوئی بھی حصہ حاصل نہیں کیا، مرحوم پر حق تعالیٰ کے ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں، ان کی لغزشیں معاف ہوں، ان کے درجات بلند ہوں، جنت کی فراواں نعمتیں نصیب ہوں، آمین۔

اللّٰھم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله و وسّع مد خله وارزقه دارًا خيرًا من داره وأهلًا خيراً من اهله وجارًا خيرًا من جاره،وقه عذاب القبر وعذاب النار وادخله الجنة مع الابرار.

[رجب وشعبان ۱۳۹۳ھ۔ستمبر واکتوبر ۱۹۷۳ء]

مولانا عبدالحق نافع رحمۃ اللہ علیہ

كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام

آہ! دور حاضر کے ایک گمنام محقق حضرت مولانا عبدالحق نافع ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ علوم عقلیہ کے ماہر ہی نہیں بلکہ ناقد، علوم نقلیہ کے صاحب بصیرت فاضل، عصر حاضر کے ذکی ترین عالم، نکتہ سنج، نکتہ شناس، دقیقہ رس، شعروادب کے صاحب ذوق، ہیئت وریاضی کے امام ہم سے جدا ہو گئے، انا اللہ۔ علمی مشکلات کے صاحب فہم وبصیرت، مسائل دقیقہ علمیہ کی سہل تعبیر پر قادر ترین فاضل، یگانہ روزگار ہم سے رخصت ہو گئے، انا اللہ۔

بلاشبہ اسلام کے ہر دور میں علم وتحقیق کے آفتاب وماہتاب چمکتے رہے اور اسلام کی زرخیز زمین میں کیسی کیسی ہستیاں پیدا ہوئیں، علوم ومعارف کے گلستانوں میں کیسے کیسے پھول کھلے، جن سے آج تک مشام عالم معطر ہے اور رہے گا، ملت محمدیہ کے ابرِ نیساں نے برس کر کیسے کیسے لعل وگہر پیدا کئے اور اس امت مسلمہ میں کیسی کیسی باکمال شخصیتیں ظہور میں آئیں، سراپا نور صحابہ وتابعین کا تو کیا کہنا! محدثین وفقہاء میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور پذیر ہوئیں، محققین ومتکلمین میں کیسے کیسے بابرکت افراد نے دنیاءِ علم وتحقیق کو روشن کیا، ایک طرف اگر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، اسحاق بن راہویہؒ، ابن المدینیؒ، دارمیؒ، بخاریؒ، مسلمؒ،

ابوداؤدؒ نگاہِ عالم کو خیرہ کئے ہوئے ہیں، اسی امت میں طحاویؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، جصاصؒ جیسی باکمال ہستیاں نقد حدیث میں داد تحقیق دے رہی ہیں، بیسیوں نہیں، سینکڑوں نہیں، ہزاروں اہل کمال سے امت محمدیہ کا دامن بھرا ہوا ہے، باقلانی، غزالی، ابن رشد، ابن فورسی ورازی وشیرازی رحمہم اللہ جیسے ماہرین علوم عقلیہ وائمہ موجود ہیں۔

دور نہ جایئے متحدہ ہندوستان کی سرزمین نے شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، بحرالعلوم رحمہم اللہ جیسے جامع کمالات اور علوم عقل ونقل کے ماہر پیدا کر کے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا، اس آخری دور میں دہلی، دیوبند، سہارنپور، گنگوہ، نانوتہ، بھون، میں کیسی کیسی ہستیاں ظہور میں آئیں، جن کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی، جن کے اخلاص وتقویٰ اور علوم نبوت میں کمال کو دیکھ کر قرن اوّل کا شبہ ہونے لگتا ہے، آج ان کے علوم وحقائق اور علمی خصائص وکمالات کو صحیح سمجھنے والا بھی کوئی باقی نہیں رہا لیکن ان حضرات کے کچھ علوم ان کے سینوں سے سفینوں میں منتقل ہو گئے ہیں، جن کے ذریعہ امت کو استفادہ اور انتفاع کا موقع مل گیا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع اس دور کے ان علماء راسخین میں تھے جن کی دقت نظر، داد تحقیق، حسن ذوق کا بہت کم کسی کو علم ہوا، افسوس کہ ان کے علمی کمال کا کوئی حصہ بھی سینہ سے سفینہ میں منتقل نہیں ہوا۔ اس علمی وفکری کمالات کے ساتھ حق تعالیٰ نے جن فطری کمالات سے نوازا تھا دور حاضر میں ان ملکات کا انفرادی طور پر بھی بہت کم کسی کو حصہ ملا، وہ حیا کے مجسم پیکر تھے، ان کا سرخ وسفید نورانی چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے لعل بدخشاں چمک رہا ہے، مجالس علم میں جب کبھی گفتگو ہوتو انتہائی سنجیدگی، بے عدل متانت ورزانت ووقار کے ساتھ خاموش بیٹھے رہتے تھے، جب ان کو مخاطب کیا جاتا تھا تب بحث میں حصہ لیتے تھے، اس دوران چہرے پر عالمانہ رعب ہمیشہ چھایا رہتا تھا، مجلس میں ان کے وجود سے ایسی رونق ہوتی تھی گویا میرِ مجلس وہی ہیں، لباس

میں انتہائی سادگی کے باوجود ممتاز وضع کے مالک، کھدر پوشی کے باوجود دلکش حسن و جمال کے پیکر، صاحب جود و کرم، وقار و تمکنت میں یگانہ روزگار، صبر و تحمل میں بے نظیر، نفاست طبع و لطافت مزاج میں بے مثل، مزاح میں بھی وقار واعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے، آواز میں شیرینی، تعبیرات میں دل کشی، طبیعت میں انتہائی استغناء، رفتار و گفتار میں جاذبیت، ارباب فضل و کمال کے قدرداں، محبت و مودت میں رقت طبع کے ساتھ سنجیدگی و وقار کے مالک، افسوس کہ ایسی جامع شخصیت مدت میں پیدا ہوتی ہے۔

فکر و دماغ کی حیثیت سے انتہائی فلسفی مزاج لیکن باوجود اس فلسفیت کے عقیدہ و عمل میں عالمانہ پختگی، دماغ میں عقل و برھان کے نور کے ساتھ قلب میں وجدانی سکون کا اجتماع حیرت انگیز تھا، بیک وقت وہ فلسفی بھی اور مؤمن قانت بھی، حقائق ایمان میں وہ منطقی برھان سے زیادہ وجدانی ایقان واطمینان کے حامل تھے۔

ماہرین علوم وفنون سے استفادہ کے عاشق تھے، جو شخصیت جس فن میں کمال رکھتی تھی اس سے فیض حاصل کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ دہلی، دیوبند، میرٹھ، گلاوٹھی، رامپور، جہاں کہیں بھی کوئی صاحب کمال دیکھا وہاں تک پہنچے، یہاں تک کہ اپنے دور میں (چکیسر ضلع سوات) میں جب قاضی مبارک کے درس کے لئے گئے تو استاذ سے اس شرط پر درس قبول کیا کہ وہ قاضی مبارک کی تشریح کے دوران مجمل، مفصل، کندیا، حافظ یوسف دراز بھوپالی کے علاوہ جو کچھ ہو اس پر اکتفاء کریں، ان پانچ شروح سے کوئی حرف نہ کہیں، دور تحصیل میں کسی طالب علم کی کیا یہ حیثیت کسی نے سنی ہے؟ زندگی کا بڑا حصہ درس و تدریس میں گذارا، تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، طبیعت ایسی پائی تھی کہ واضح کی ایضاح اور بلا مقصد بلا ضرورت تطویل سے گریز، حل مشکلات میں بقدر ضرورت پر اکتفاء کرتے تھے، اس لئے اذکیا طلبہ کو بے حد نفع ہوتا

تھا اور اغبیاء محروم رہتے تھے، بنگال اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر مدرس رہے، آخری دور دیوبند میں گذارا، دارالعلوم کے طبقہ علیا کے مدرس تھے، عقائد، جلالی، خیالی، شرح حکمت، شرح اشارات، شرح چغمنی، ابن کثیر زیادہ تر زیر درس رہیں۔

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے انقطاع ہوگیا، کچھ عرصہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں شیخ الحدیث وصدر مدرس رہے، جب راقم الحروف نے کراچی میں درس گاہ کی بنیاد ڈالی تو کچھ عرصہ میرے رفیق کار رہے، درس بخاری صدر مدرس کا منصب ان کو حاصل تھا، ضعف وخانگی ضروریات کی وجہ سے ہم ان کی رفاقت کی نعمت سے محروم رہے۔

افسوس کہ ان کی فوق العادہ ذکاوت، جامعیت علوم، مکارم اخلاق، فطری ملکات و کمالات کے باوجود ناقدر شناس دنیا نے ان کی قدر نہیں کی، جس قدر ومنزلت کے یہ نادرۂ روزگار مستحق تھے اتنی قدر ومنزلت نہ ہوسکی:

تو نظیری زفلک آمدہ بودی چو مسیح
باز پس رفتی وکس قدر تو نشاخت دریغ

مرحوم سے میرا تعلق تقریباً نصف صدی رہا، تحابب وتوادد کی اس منزل پر ہم پہنچے جس کی نظیر کم ملے گی، میں نے اپنے معاصرین اور حلقہ احباب اور اساتذہ میں باستثناء بعض حضرات ذکاوت طبع، دقت نظر، حسن ذوق، جامعیت مزاج میں ان کی نظیر نہیں دیکھی، میرے والد محترم حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب (مدظلہم ودامت برکاتہم) فرماتے ہیں کہ ”مشکل سے مشکل مسائل کو آسان وسادہ تعبیر میں حل کرنے والا عالم ان جیسا نہیں دیکھا“۔

افسوس کہ علم وفضل کا یہ گوہر آبدار دنیا سے رخصت ہوگیا، میرے نصف قصائد کا موضوع ان کی ذات رہی ہے، جو قلم ان کو مخاطب کرکے یہ لکھتا تھا:

اتانی منك یا فرد الزمان
کتاب لفظه عقد الجمان

یا یہ لکھتا تھا:

بلغت الغایة القصوی مرادًا
وان تطلب تجد مجدًا سواها

آج وہ اشکبار آنکھوں سے غم گساری میں یہ چند حروف سپرد قلم کررہا ہے، مرحوم کی ولادت ۱۳۱۳ھ میں ہوئی، ٹھیک اسی (۸۰) برس کی عمر میں بتاریخ ۱۳/ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۸/جنوری ۱۹۷۳ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، علالت کا سلسلہ ایک سال سے جاری تھا، میرا ایک تار مرحوم کی حالت معلوم کرنے کے سلسلہ میں گیا، جب ان کو علم ہوا تو جاہلی شاعر کا یہ شعر پڑھا:

سئمت تکالیف الحیا ومن یعش
ثمانین حولا لا أبالك یسأم

یعنی زندگی کی تکالیف سے تنگ آ گیا ہوں اور جو اسی (۸۰) سال زندہ رہے ضرور زندگی سے اکتا جائے گا۔

اور فرمایا کہ ”تسلی کا جواب دو“۔

ادبی ذوق عجیب وغریب تھا کہ ایک دفعہ چار سال قبل میں مکہ مکرمہ میں تھا، مکتوب ملا، اس وقت بعض احباب کے ساتھ موٹر میں میدان عرفات، وقوف عرفات سے دو دن قبل جارہا تھا، ڈاک راستہ میں ملی، خط راستہ میں نہیں کھولا، جب جبل الرحمت پہنچے تو لفافہ کھولا، عربی میں رقت انگیز مکتوب تھا، سرنامہ عربی کا ایک شعر تھا:

انا محیوك یا سلمیٰ فحیینا
واذا سقیت کرام الناس فاسقینا

یہ شعر پڑھتے ہی سب پر بکاء کی کیفیت طاری ہوگئی اور اس رقت انگیز طرز تعبیر نے نہ صرف مجھ پر بلکہ سب پر رقت طاری کردی۔

افسوس کہ میری غیر موجودگی میں ان کا حادثۂ وفات پیش آیا، میں نے سرزمین مقدس حجاز مکہ مکرمہ میں ۴/ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ جمعہ کی نصف شب کو خواب دیکھا کہ مرحوم وفات پاچکے، خواب صریح تھا اور امارات وقرائن بھی اس کے موید تھے، اس لئے مقامات مقدسہ اور اوقات قبول دعا میں بجائے صحت وعافیت کے مغفرت اور ترقی درجات کی دعائیں کرتا رہا لیکن کسی ذریعہ سے کوئی اطلاع نہ مل سکی، تردد ہوا کہ شاید خواب صریح نہ ہو یا کچھ اور تعبیر ہو تو دوبارہ خواب دیکھا کہ خواب سچا ہے۔

میری ایک لڑکی نے جو حج میں ساتھ تھی، تین مرتبہ ماہ ذی الحجہ میں ان کی وفات کے خواب دیکھے تھے، بعد میں معلوم ہوا کہ واقعہ صحیح تھا البتہ حادثہ وفات بتاریخ ۱۳/ذی الحجہ میں حج کے بعد وقوع میں آیا۔

صد افسوس کہ نہ آخری لمحات حیات میں ملاقات ہوسکی، نہ جنازہ میں شرکت نصیب ہوئی، اب مزار مبارک پر حاضری ہوگی۔

بجنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

والد محترم نے نام عبدالحق رکھا تھا، والدہ نے نافع گل، حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ کا حکم تھا کہ اس کو عبدالحق کہا کریں، اگر کوئی نافع گل کہتا ایک آنہ جرمانہ کرتے تھے، آخر میں راقم الحروف مرحوم کو عبدالحق نافع لکھا کرتا تھا اور یہی عام ہوگیا۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے مزار پُرانوار کو نور سے بھر دے اور ابر کرم کی بارش سے رحمت ورضوان کی نہریں جاری فرمادے، بال بال مغفرت ہو، اعلیٰ علیین میں مسکن ہو، بے حساب و بے کتاب جنت الفردوس نصیب ہو، آمین۔

حزینہ

(اشعار بر وفات مولانا عبدالحقؒ نافعؒ)

عليك سلام الله يا روح نافع	ورحمته ماشاء ان يترحما
تحية حب حين يشجو فواده	واضحى بحال كاد أن يتحطما
تحيه قلب هائم متألم	ويرجو من الله الرحيم ترحما
رحيم رؤف بالعباد غياثهم	يجود بعفو منة وتكرما
رزية علم ثم فضل مصيبة	تفوق رزايا الدهر حقا محتما
رثاء فقيد العلم ثم خل رزيه	تقطع قلبا هائما ومتيما
فيا رب انزل من سحائب رحمة	على قبره ماكان أغزر أدوما

[محرم الحرام ۱۳۹۴ھ]

مولانا عبدالمنان میواتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ان عشت تفجع بالأحبة كلهم
وبقاء نفسك لا ابالك أفجع

حضرت مولانا عبدالحق صاحب نافع رحمہ اللہ کی وفات کی خبر سے دل کا زخم ابھی تازہ تھا کہ برادر محترم مولانا عبدالمنان صاحب میواتی دہلوی کی وفات حسرت آیات کی خبر سنی، مرحوم یوم سہ شنبہ ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۲/جنوری ۱۹۷۴ء کی شام کو دہلی میں واصل بحق ہوئے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون

مرحوم سراپا اخلاص اور سراپا سوز وگداز تھے، جید عالم تھے، عربی اور اردو کے بے مثل فطری شاعر تھے، عربی شعر گوئی میں اس دور میں متحدہ ہندوستان میں ان کی نظیر نہیں تھی، اشعار میں روانی، زبان دانی، اسلامی قدیم دور کے شعراء کی یاد تازہ کرتی تھی، حافظہ بے عدیل تھا جو قصیدہ لکھا سالہا سال تک یاد رہتا تھا، سنانے کا طرز بھی بے عدیل تھا، جس وقت شعر سنانے بیٹھتے ایک ایسا وجد و بے خودی طاری ہوتی تھی کہ سراپا جذب وسراپا وجد بن جاتے تھے، سوز وگداز کے باوجود باغ وبہار تھے، ان کی مجلس عجیب پرلطف ہوتی تھی، بزرگوں سے عقیدت، بزرگوں کی خدمت اور بزرگوں کی دعاؤں کی برکت نے ان کی ساخت کو عجیب بنادیا تھا، وہ بیک وقت شاعر بھی تھے،

صالح عالم بھی تھے اور باخدا بھی تھے، دلوں کو تڑپانے والے بھی تھے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر رویا کرتے تھے، اور آخری عمر تک سلسلہ چشتیہ کا ذکر بالجہر بارہ تسبیح کا ورد پابندی سے کیا کرتے تھے، ذکر کرتے وقت ان کی دردناک آواز اندرونی سوز و گداز کی غمازی کیا کرتی تھی، جب پاکستان آتے اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں وارد ہوتے تو مدرسہ میں آپ کی تشریف آوری سے عجیب رونق آجاتی تھی، مکہ مکرمہ میں موسم حج میں کچھ دن ان کی معیت وصحبت نصیب ہوئی، ان کے کمالات خوب کھلے۔

دہلی کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ وفات سے کچھ ماہ قبل اپنی وفات کا احساس ہوگیا، تھا گویا وہ ہر وقت منتظر رہتے تھے اور باربار یہ اظہار کیا کہ تین حج کی دعا کی تھی قبول ہوگئی، اب سفر آخرت قریب ہے۔

افسوس کہ یہ بلبل خوشنوا، جو ہر مجلس میں چہکتی تھی اب خاموش ہوگئی اور سوز و گداز کے وہ نغمے جو ہر مجلس کو گرماتے تھے آج ختم ہوگئے۔

اللّٰهم اغفر له وارحمه وعا فه واعف عنه واكرم نزله ووسع مد خله وادخله الجنة وأعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار.

حاجی علی محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ

پرسوں چہارشنبہ کے دن بلکہ جمعرات کی رات مغرب کے بعد ۵رصفر ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۷رفروری ۱۹۷۴ء ہمارے مخلص دوست سابق اسلامک اسٹیم شپنگ کمپنی کے اسپیشل ڈائریکٹر حاجی علی محمد موسیٰ کی اچانک وفات کا حادثہ پیش آیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کراچی وسندھ کے قدیم باشندے تھے ان کے اخلاص، تواضع، مسکنت، اہل اللہ، صالحین اور علماء دین سے ان کی محبت دیکھ کر یہ یقین ہی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ اس صدی کا شخص ہے بلکہ محسوس ہوتا تھا کہ کوئی قدیم باقی ماندہ روح ان میں جلوہ گر ہے، سراپا اخلاص، سراپا مسکنت وتواضع، فیض رساں خدمت خلق کا دلدادہ، جس کی نظیر اس دور میں بہت کم ملے گی۔ ''پان اسلامک کمپنی'' قائم ہونے سے پہلے یہ خاندان کراچی میں حجاج کرام کی خدمت کے لئے وقف تھا لیکن اس بحری کمپنی سے تعلق کے بعد حق تعالیٰ نے حجاج کرام اور علماء عظام اور حج وعمرہ پر جانے والے عام لوگ خصوصاً علماء یا ان کے احباب کے لئے وہ خدمات ان سے لیں جن کا تصور بھی اس دور میں مشکل ہے، اور حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہی امید ہے کہ ان کے یہی اعمال آخرت کے لئے سب سے زیادہ مفید ذخیرہ بھی ہوگا۔ وفات کے بعد ان کے چہرے سے گویا نور کے شعلے نکلتے دیکھے اور لب پر تبسم کا منظر عجیب تھا، الحمدللہ کہ ان کی مغفرت اور ترقی درجات کی بہت کھلی علامات تھیں، حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر ہوں اور جنت الفردوس کی بشارت سے سرفرازی نصیب ہو:

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

علماء واحباب ومخلصین کے قافلے آخرت کی طرف بہت سرعت سے جارہے ہیں نہ معلوم اس مرثیہ خواں قلم کی باری کب آتی ہے؟

اللّٰھم اختم لنا بخیر واجعل خیر اعمارنا آخرھا.

[صفرالمظفر ۱۳۹۴ھ-مارچ ۱۹۷۴ء]

الشیخ محمد ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ مصر کے مایۂ ناز محقق عالم الشیخ محمد ابوزہرہ گذشتہ شنبہ ۱۳/اپریل ۱۹۷۴ء مطابق ۱۹/ربیع الاول ۱۳۹۴ھ کوواصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف دورحاضر کے ممتاز عالم، بے نظیر مصنف، حیرت انگیز خطیب تھے، ائمہ اربعہ اور چند افراد امت پر ان کی تصانیف ان کے علمی شاہکار ہیں، تصنیفی اسلوب میں نقد وتحلیل اور بحث وتحقیق کے امام تھے، وہ مسلکاً حنفی تھے لیکن بعض مسائل میں وہ اپنے خیال میں دلیل وحجت کے تابع تھے، موصوف سے پہلی مرتبہ اس وقت ملاقات ہوئی تھی جب لاہور میں ۱۹۵۸ء میں "کلوکیم" ہوا تھا تو وہ کراچی آئے تھے، مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بھی تشریف لائے تھے، پھر "کلوکیم" میں ان کی تقریروں کے سننے کا موقع ملا تھا، غلام احمد پرویز اور عبدالحکیم ادارہ ثقافت والے پر ان کی تنقید وتقریر قابل قدر تھی، بعد میں "مجمع البحوث الاسلامیة" کی کانفرنسوں میں موصوف کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان کی علمی خصوصیات کے جوہر کھلے، وہ بیک وقت بہترین ادیب وکاتب بھی تھے اور اعلیٰ ترین خطیب بھی تھے، حافظ بے نظیر تھا، جو لکھا سب یاد ہوتا تھا "مجمع البحوث الاسلامیة" میں جب بھی کسی موضوع پر سینکڑوں صفحات کا مقالہ تیار فرمایا تو کھڑے ہوکر خود سناتے تھے، اکثر حافظے سے سناتے تھے، گویا تقریر کررہے ہیں، عقیدہ سلیم تھا، مزاج میں سنجیدگی اور وقار تھا، غرض اپنے اس دور میں علماء ازہر میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، عرصہ دراز تک وہ

’’کلیۃ الحقوق‘‘(لاء کالج) کے عمید (پرنسپل) تھے، ہمارے مولانا عبدالرزاق صاحب جو مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں ہمارے رفیق کار تھے ’’ألمجلس الأعلیٰ للشئون الاسلامیۃ‘‘ کی دعوت پر ڈاکٹریٹ کے لئے مصر گئے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر مقالہ تیار کررہے تھے، جامعۃ القاہرہ کی طرف سے مشرف استاد الشیخ ابوزہرہ تھے۔

افسوس صد افسوس کہ اس قحط الرجال کے دور میں ایسی باکمال شخصیتیں مشکل سے پیدا ہوتی ہیں، حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے، درجات عالیہ نصیب فرمائے اور ان کی علمی ودینی خدمتوں کو بارگاہ ربوبیت میں شرف قبولیت بخشے، آمین۔

مولانا سید شمس الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے بلوچستان فورٹ سنڈیمن کے نوجوان غیور عالم مولانا شمس الدین بتاریخ ۱۴؍مارچ ۱۹۷۴ء مطابق صفر ۱۳۹۴ھ بڑی بے دردی سے شہید کر دیئے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کے اس نوعمری میں سیاسی میدان میں قدم رکھنے سے بہت سے حیرت انگیز کمالات کا ظہور ہوا، سنجیدہ باوقار، خوبصورت، خوب سیرت، اصول کے پابند عالم تھے، بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر تھے، اس دوران ان کو شدید سے شدید آزمائشیں پیش آئیں اور ایسے ایسے خطرناک ہوشربا امتحانات سے واسطہ پڑا جہاں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے لیکن کیا مجال کہ مولانا شمس الدین کے پائے استقامت کو ذرہ بھر بھی لغزش ہوئی ہو، مال سے مستغنی، جاہ و منصب سے بے نیاز، فقیری میں پادشاہ، فیض رساں، خدمت خلق کے لئے وقف، جری، بہادر، جمعیت علماء اسلام اور مولانا مفتی محمود صاحب خصوصی طور پر تعزیت کے مستحق ہیں، کسے معلوم تھا کہ بلوچستان کی سنگ لاخ وادی اس ابر نوبہاری کے فیض سے اتنی جلد محروم ہو جائے گی۔

اکنوں چہ تواں کرد کہ تقدیر چنیں بود

حق تعالیٰ نے موت بھی شہادت کی نصیب فرمائی، حق تعالیٰ اس شہید ملک وملت کو شہداء برحق کے درجات رفیعہ سے سرفراز فرمائیں اور حیات جاودانی نصیب فرمائیں اور شہداء کے لئے

احادیث نبویہ علیہ الصلوۃ والسلام میں جن درجات کا ذکر آیا ہے حق تعالیٰ وہ مولانا شمس الدین کو عطا فرمائیں، آمین۔ ان کی خدمات قبول ہوں، ان کی خونی شہادت ان کے حق میں ہر طرح سے باعث خیر و برکت ہو، آمین ثم آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ۔ مئی ۱۹۷۴ء]

مولانا عبدالرحمن جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ میرے ایک قدیم ترین محب مولانا عبدالرحمن بن فقیر محمد جالندھری کل بروز شنبہ بوقت عصر مورخہ ۱۱؍ربیع الآخر ۱۳۹۴ھ مطابق ۴؍مئی ۱۹۷۴ء کوراہی ملک بقا ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سے شناسائی اور تعلق ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیو بند میں پیدا ہوا، وہ ۱۳۴۰ھ سے دارالعلوم میں داخل تھے اوراس وقت متوسط کتابیں پڑھتے تھے،۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم میں جب انقلاب آیا جس میں امام العصر مولانا محمد انورشاہ رحمہ اللہ اور چندازاں بعد مولانا شبیر احمد عثمانی ، عارف باللہ حضرت مولانا عزیز الرحمن دیو بندی اور مولانا سراج احمد رشیدی وغیرہ حضرات علیحدہ ہوئے اور طلبہ کی ایک بڑی جماعت میں ہیجان برپا ہوا، اس وقت مرحوم غالباً اپنے ماموں کے مشورے سے جواس وقت پشاور میں تحصیلدار تھے دارالعلوم سے چلے آئے اور اورنٹیل کالج لاہور میں مولوی فاضل کلاس میں داخلہ لے لیا، چندسال لاہور رہے، مولوی فاضل اور منشی فاضل کیا اور دوبارہ ۱۳۵۱ھ میں اپنی کتابوں کی تکمیل کے لئے دارالعلوم پہنچے، ۱۳۵۳ھ میں دارالعلوم سے سندفراغ حاصل کی ،جس کے الفاظ یہ تھے:

وهو عندنا سليم الطبع جيد الفهم مرضى السيرة، محمود السريرةوله مناسبة بالعلوم تامة، يقدرعلى نشر العلوم وإفادتها.

وہ ہمارے نزدیک سلیم الطبع، عمدہ فہم، پسندیدہ سیرت اور قابل تعریف عادت
کے شخص ہیں، انہیں علوم سے پوری مناسبت ہے اور وہ علوم کی نشر واشاعت پر
قادر ہیں۔

عرصہ دراز کے بعد معلوم ہوا کہ کسی کالج میں استاذ ہیں، بعد میں ریٹائر ہوگئے اور لائل پور کی کسی مسجد میں خطیب مقرر ہوئے، اسی دوران چند ماہ ایک خاص جماعت کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں بھی استاذ رہے ہے، فریضہ حج غالباً ۱۳۷۵ھ میں ادا کیا، ایک بار عمرہ وزیارت کے لئے بھی سفر حرمین کی توفیق ہوئی، دوسری بار اب سے کوئی اڑھائی تین مہینے پہلے عمرہ وزیارت کے لئے بڑے ذوق وشوق سے حرمین پہنچے، ایک ماہ مدینہ طیبہ میں اور ایک ماہ سے زائد مکہ مکرمہ میں قیام رہا، اس دوران والہانہ ومجذوبانہ انداز میں طواف وعبادات اور مجاہدات میں مشغول رہے، طبیعت وہیں بگڑ گئی تھی لیکن آرام کا خیال نہ کیا، سفینہ حجاج سے واپسی ہوئی، کراچی پہنچنے سے ۳۰ گھنٹے قبل بخار ہوا بے ہوش ہوگئے، جہاز کے ہسپتال میں داخل کئے گئے مگر تشخیص نہ ہوسکی، بے ہوشی کے عالم میں کراچی اتارے گئے اور سول میڈیکل ہسپتال پہنچائے گئے، معلوم ہوا کہ گردن توڑ بخار کا عارضہ ہے جس سے مریض شاذونادر ہی جانبر ہوتا ہے، تمام تدبیریں کی گئیں مگر ناکام ہوئیں، بالآخر عمرے کا یہ مسافر تمام عمر کے لئے سفر آخرت پر روانہ ہوگیا۔

طبیعت ابتدا ہی سے نیم مجذوبانہ تھی، دیوبند کی طالب علمی کے دوران آدھی رات کو جنگل میں چلے جاتے، کبھی سہارن پور جانے کے لئے اسٹیشن پر پہنچے، ریل نکل گئی تو پاپیادہ سہارن پور چل دیئے اور ۲۲ میل کا سفر چند گھنٹوں میں طے ہوجاتا، ۱۹۳۰ء میں لاہور میں مولوی فاضل کی تیاری کے دوران ایک خاص شکل میں ذکر وشغل کرنے لگے، جس کی وجہ سے یہ

کیفیت طاری ہوئی کہ بہت سے لوگوں کی صورتیں بندروغیرہ کی نظر آنے لگیں اور بے حد پریشان ہوئے، بالآخر میرے اصرار پر اس شغل کو ترک کیا تو کچھ عرصہ بعد یہ کیفیت جاتی رہی مگر اس شغل کی وجہ سے اس وقت امتحان میں ناکام ہوئے، یہی نیم مجذوبانہ کیفیت آخر عمر تک رہی، لذائذ وشہوات سے طبعاً دور تھے، مشتبہات سے اجتناب کرتے تھے، سنا ہے کہ دورہ حدیث کے اختتام پر حضرت مدنی قدس اللہ سرہ سے بیعت بھی ہوگئے، پوری زندگی سادگی اور مجاہدے میں گذاری، زبان پر کبھی کسی کی غیبت وغیرہ نہ آتی، غالباً ٦٨ ر برس عمر ہوگی کہ سفر مبارک سے سفر آخرت پر روانہ ہوئے، چہرے کی نورانیت قابل رشک تھی، مغفرت کی علامات نمایاں اور حرمین کے انوار وبرکات مشاہد تھے، الحمدللہ بہت جلد تجہیز وتکفین اور تدفین کے مراحل طے ہوگئے اور یوسف پورہ میں سوداگران دہلی کے قبرستان کراچی میں ان کی آخری آرام گاہ بنی۔

حق تعالیٰ کی بے انتہا رحمتیں اس مسافر آخرت پر ہوں جس نے تمام زندگی زہد و قناعت اور تقویٰ ومجاہدہ کی منزلیں طے کرنے میں گذاری۔

اللهم اغفرله وارحمه وارضه وارض عنه وادخله دارالنعيم بفضلك وكرمك يا ارحم الراحمين.

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ - جون ۱۹۷۴ء]

مولانا دوست محمد قریشی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محب و مخلص باخدا عالم مولانا دوست محمد قریشی بتاریخ ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۶/ مئی ۱۹۷۴ء ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت (ہند) کے ۱۳۵۸ھ میں دورہ حدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے تعارف و تعلق ہوا، مرحوم سنن ابی داؤد شریف کے چند ممتاز طلبہ کے ساتھ میرے درس میں شریک تھے، ایک مخلص تلمیذ اور خادم کی حیثیت سے ان سے یہ توقع اسی وقت تھی کہ اگر عمر نے وفا کی تو یہ مسلک اہل علم کا ایک تابندہ گوہر ہوگا، فراغت کے بعد عرصہ دراز تک مختلف مدارس میں علوم دینیہ کا درس دیا پھر ردفرق باطلہ میں امتیازی خصوصیت کے حامل بنے اور تھوڑے عرصہ میں ایک ممتاز شعلہ فشاں اور فصیح اللسان خطیب کی حیثیت سے پاکستان میں ان کا تعارف ہوا اور ساتھ ہی ساتھ نقشبندی سلسلہ میں حضرت عبد المالک صاحب نقشبندی شیخ طریقت کے (جو حضرت مولانا فضل علی قریشی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے) دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور قلیل عرصہ میں اپنی قوت مجاہدہ کی وجہ سے خلیفہ مجاز بن کر خود شیخ طریقت بھی بن گئے، اس باطنی نسبت کی بنا پر عام خطباء شعلہ بیان کے عیوب سے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی، باوجود شیخ طریقت، عمدہ مقرر، مشہور عالم ہونے کے اخلاق میں تواضع اور اپنے اکابر سے عقیدت مندی ووابستگی آخر تک قائم رہی۔

کوٹ اڈّو میں درسگاہ وخانقاہ کی بنیاد بھی ڈال دی اور وہی آخری قیام گاہ بھی ثابت ہوئی، کچھ عرصہ پہلے فالج ولقوہ کا حملہ ہوا تھا،حق تعالیٰ نے شفاءعطا فرمائی اورتقریروں کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا۔مرحوم خوبصورت،خوب سیرت، باوقارسنجیدہ مزاج تھے،حضرت عطااللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے اسلوب پر خطابت کا انداز تھا، حافظہ عمدہ تھا،حضرت شاہ بخاریؒ کے بعض خصوصی مواعظ وتقاریر کے گویا حافظ تھے،اللہ تعالیٰ نے باجود کمالات کے حب مال وجاہ سے محفوظ فرمایا تھا، اورایک بیدار دماغ ،دردمند دل سے نوازا تھا،شیعہ پاکٹ بک وغیرہ جیسی تصنیفی یادگار بھی چھوڑ چکے ہیں، کچھ عرصہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے شعبہ ردفرق باطلہ کے لئے ایام تعطیل میں تشریف لایا کرتے تھے اورتعلیم وتربیت وامتحان کے بعد سند مدرسہ سے دی جاتی تھی، اس قحط الرجال کے دور میں ان کا وجود بساغنیمت تھا،افسوس کہ جوشخصیت جاتی ہے اس کی جگہ خالی ہوجاتی ہے،حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر ہوں، درجات عالیہ نصیب ہوں،ان کی دینی،تبلیغی، تربیتی خدمات بارگاہ ربوبیت میں قبول ہوں اوراس کے اجروثواب سے یوم محشر میں مالا مال ہوں،آمین۔

[جمادی الاخریٰ ۱۳۹۴ھ۔جولائی ۱۹۷۴ء]

مولانا خیر محمد بہاولپوری مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ حرم محترم مکہ کے ایک باخدا بزرگ اور معمر عالم حضرت مولانا خیر محمد صاحب بہاول پوری مہاجر مکی گذشتہ ماہ جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ میں واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اپنے علم وفضل اور استقامت واستقلال میں سلف صالحین کی یادگار تھے، مسجد حرام میں نماز کے بعد درس شروع فرمایا کرتے تھے، اکثر اوقات بیت اللہ الحرام کے مواجہہ شریفہ میں طالبان علوم تسکین کا سامان کرتے تھے، صحیح بخاری وغیرہ کتب حدیث سے لے کر تفسیر ابن کثیر اور شاطبیہ تک تمام علوم بے تکلف پڑھایا کرتے تھے، مہاجر علماء میں اس آخر دور میں ان کی نظیر نہیں تھی، مزاج میں انتہائی سادگی، معمولات میں انتہائی پابندی اور تدریسِ علوم سے شغف قابل حیرت تھا، اخلاص، تواضع، مہمان نوازی وغیرہ ایک عالم برحق کی تمام خصوصیات کے حامل تھے، آخری عمر میں ضعف وعلالت اور بینائی کی انتہائی کمزوری کے باوجود آخری شب میں حرم کی حاضری کی تڑپ قابل دید تھی۔

اس پرآشوب دور اور قحط الرجال کے زمانے میں ایسی باخدا ہستیاں، عالم باعمل، جامع العلوم، ماہر الفنون، محض حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے جفاکشی، محنت وعرق ریزی کے ساتھ علوم دینیہ کی خدمت کرنے والے کہاں سے آئیں گے؟ نہ مال کی محبت، نہ جاہ کی رغبت، نہ وجاہت کی

خواہش، صرف علوم ہی کی خدمت زندگی کا مقصد ہو۔ ایسے بزرگ اب کہاں؟ سن مبارک بظاہر نوے کے قریب ہوگا۔ افسوس کہ مجھے زیادہ تفصیل معلوم نہ ہوسکی، بہر حال تمام زندگی علم کی بادیہ پیمائی میں صرف کی اور بظاہر نصف صدی کے قریب کا زمانہ مکہ معظّمہ میں کعبۃ اللہ کے سائے میں گذارا، سبحان اللہ!

ایں سعادت بزور بازو نیست

محض حق تعالیٰ شانہ کا عظیم احسان ہے کہ پاک سرزمین میں پاک نیت سے پاک طینتی کے ساتھ حیات کا یہ کاروان منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ اے اللہ! ان کے درجات کو بلند اور مغفرت ورحمت ورضوان کے اعلیٰ مقامات نصیب فرما اور ان کے صاجزادے محمد مکی کو ان کا صحیح جانشین بنا۔

آمین یارب العلمین وصلی اللہ علی خاتم النبیین وسید المرسلین محمد وعلی آله وصحبه أجمعين

[رجب المرجب ۱۳۹۴ھ-اگست ۱۹۷۴ء]

مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی رحمۃ اللہ علیہ

اور

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

سال رواں کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ علمی دنیا کے لئے "عام الحزن" ہے، بڑی بڑی جلیل القدر ہستیاں اور عظیم القدر اشخاص سفر آخرت پر روانہ ہوئے، ابھی ابھی جولائی ۱۹۷۴ء مطابق ماہ جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ میں عالم اسلام کے مفکر، عظیم سیاسی رہنما، تجربہ کار قدیم سیاست دان اور فقہ اسلامی کے مفتی اعظم سید محمد امین الحسینی فلسطینی واصل بحق ہوئے۔ اخبارات کے صفحات پر مرحوم کے حادثہ وفات پر اظہار تاثرات کے سلسلہ کی روشنائی ابھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ دور حاضر کے ایک متبحر عالم اور جلیل القدر محدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مرحوم کی وفات بلاشبہ اہل علم کے لئے ناقابل برداشت خسارہ ہے، جس کی مکافات و تدارک کا کوئی امکان نہیں۔

حضرت مرحوم کی زندگی پوری نصف صدی تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گذری، تعلیم اور فراغت مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ہوئی۔ مظاہر العلوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند آ کر حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کا شرف تلمذ حاصل کیا، مطالعہ

کتب کا ابتداء ہی سے ذوق تھا، درسیات سے متعلقہ شروح وحواشی کے علاوہ بھی مطالعہ کتب کا شوق رہا، حافظہ بہت ہی عمدہ اور قابل قدر تھا، اس لئے تبحر ووسعت نظر میں اپنے معاصرین میں ممتاز رہے، نیز ابتداء ہی سے علمی شوق کے ساتھ عبادت کا ذوق بھی تھا، جس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ مہاجر مدنی کچھ حالات سنایا کرتے تھے، حضرت الاستاذ امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ سے تلمذ کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں مدرس مقرر ہوئے، مفوضہ کتب کے علاوہ روزانہ صبح کی نماز کے بعد درس ترجمہ قرآن کریم بہت شوق وذوق سے دیا کرتے تھے اور جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ موطا امام مالک کے درس کا سلسلہ شروع کررکھا تھا، دارالعلوم دیوبند ہی میں ابتدائی تدریسی عہد میں مقامات حریری کا حاشیہ لکھا اور مشکاۃ المصابیح کی شرح شروع کی تھی، اسی وجہ سے ابتدائی تدریسی زندگی میں مرحوم کو متوسط درجہ کی کتابوں سے آگے کی کتابیں برائے تدریس دی گئیں تھیں، چنانچہ ابتدائی دور میں جہاں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ جیسے محقق روزگار کو مشکوٰۃ المصابیح دی گئی تھی وہاں مرحوم کو بھی مشکوٰۃ المصابیح کی جماعت ثانیہ حوالہ کردی گئی تھی، ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے استعفاء دیا، اور فتنے کا دور شروع ہوا، اس لئے حضرت مرحوم کو یہ پسند نہ تھا کہ وہاں اپنے تدریسی شغل کو جاری رکھیں، نیز حضرت مولانا حبیب الرحمن مرحوم سے تعلقات تھے، ان کو بھی ناراض کرنا مشکل تھا، اس لئے مرحوم دارالعلوم کو خیر باد کہہ کر حیدرآباد دکن جا کر وکیل فیض الدین مرحوم کے ہاں اقامت پذیر ہوئے، وکیل صاحب مرحوم کو بڑا علمی ذوق تھا، بڑا عظیم الشان کتب خانہ جمع کیا تھا، حضرت مرحوم کے قیام کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر انھوں نے صحیح بخاری کا درس لینا شروع کیا اور یکصد ماہوار مشاہرہ بھی مقرر کیا، حضرت مرحوم کو یہ فرصت کے لمحات بڑے مغتنم مل گئے، تمام رات فتح الباری کا مطالعہ کرتے تھے اور جتنی فتح الباری مطالعہ کی

اتنا ہی سبق پڑھا دیا کرتے تھے اور کچھ تصنیفی کاموں کے لئے فرصت بھی مل گئی، اس دوران حج بیت اللہ کا فریضہ بھی ادا کیا اور وکیل فیض الدین کی رفاقت میں یہ سفر کیا گیا، حج ادا کرنے سے پہلے حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہؒ کی خدمت میں بقصد بیعت تشریف لائے، دیوبند پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت امام العصر رحمہ اللہ تبدیلی آب وہوا کے لئے بجنور تشریف لے گئے ہیں، بہت بے چینی سے بجنور پہنچے، حضرت امام العصر شاہ صاحبؒ کا قیام مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں تھا اور راقم الحروف بنوری اس وقت پہلی مرتبہ خادم خصوصی کی حیثیت سے شرف خدمت سے سرفراز تھا، یہ ماہ شوال کے اواخر ۱۳۴۶ھ کا واقعہ ہے، میری موجودگی میں شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور اذکار کی تلقین کی، اس وقت کی تمام کیفیات وحالات الحمدللہ سب یاد ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات ۳ رصفر ۱۳۵۲ھ کو ہوئی، حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد مجاہد عصر وعارف باللہ شیخِ وقت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے زمانہ صدارت میں دیوبند دوبارہ تقرر ہوا۔ اور غالباً اسی دوران حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور آخر تک دارالعلوم ہی میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ تقسیم ہندوستان کا تاریخی واقعہ پیش آیا اور ہجرت کرکے پاکستان تشریف لائے، کچھ عرصہ جامعہ عباسیہ بہاولپور میں تعلیمی خدمات انجام دیں۔ بعدازاں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی دعوت پر لاہور تشریف لائے اور جامعہ اشرفیہ میں جس کی ابتداء نیلا گنبد سے ہوئی شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور نہایت سکون واطمینان سے تدریسی وتصنیفی زندگی میں مصروف ترین وقت گذارا۔ ''التعلیق الصبیح'' جو مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ہے وہ موصوف کی ابتدائی تصنیفات میں سے ہے، اس کے طباعت کے لئے شام کا سفر کیا اور دمشق میں قیام فرما کر طبع کرائی، آخری جزء وہاں طبع نہ ہوسکا، رقم ختم ہوگئی۔ اس کے بعد کی تصانیف میں

زیادہ اتقان ہے۔ تصانیف میں ''سیرۃ المصطفیٰ'' نہایت عمدہ منقح اور قابل اعتماد سیرت نبوی اردو میں تالیف فرمائی، صحیح البخاری کی شرح ''تحفۃ القاری بحل مشکلات البخاری'' قابل قدر سرمایہ ہے، جس کے ابتدائی چند جزو طبع ہو گئے ہیں اور آخری جزو بھی طبع ہو چکا ہے جو نہایت محققانہ انداز میں ہے بلکہ اجزاء سابقہ میں اپنے تحقیقی معیار میں ممتاز ہے۔ قرآن کریم کی تفسیر ''معارف القرآن'' کے نام سے تالیف فرما چکے ہیں، جلد پنجم طبع ہوگئی جو سورۃ توبہ پر ختم ہے، بلاشبہ عمدہ قابل قدر تفسیر اور ان کی علمی پختگی کی شاہکار ہے، بعض غررِ نقول کا نہایت عمدہ انتخاب فرمایا ہے، کلام باری میں ان کا رسالہ ''الکلام الموثوق فی تحقیق ان القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' نہایت عمدہ رسالہ ہے اور تقریباً تیس سالہ محنت ومطالعہ کا نتیجہ ہے، دارالعلوم دیوبند کے آخری دور میں اس موضوع کا مطالعہ اور لکھنا شروع کیا تھا میری ناقص رائے میں یہ کتاب تحقیقی معیار اور حسن ترتیب کے اعتبار سے تمام تالیفات میں امتیازی شان رکھتی ہے، ابتداءً حافظ ابن تیمیہ وحافظ ابن القیم سے متاثر تھے لیکن آخر میں امام ابوبکر باقلانی کی ''الانصاف'' سے متاثر ہوئے اور آخری تحقیق جمہور متکلمین کے بالکل موافق ہوئی اور یہی رنگ تمام کتاب میں واضح ہے، حضرت مرحوم کی قابل رشک زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ تمام لمحات حیات علمی کدوکاوش سے فارغ نہیں بیٹھے۔ اور اس میں ایسا استغراق رہا کہ دنیا کی خبر نہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان رہا کہ دنیوی افکار واشغال سے فارغ رکھا اور تمام افکار واشغال علمی بادیہ پیمائی میں صرف ہوئے اور علمی جدوجہد کا سلسلہ اور قوت حافظہ آخری لمحات حیات تک باقی رہی، عربی شعر کا بہت قابل قدر ذوق تھا، بے تکلیف اور برجستہ شعر کہتے تھے، فارسی شعر بھی فرماتے تھے۔

بہرحال حضرت مرحوم حدیث وتفسیر میں اپنے اہل عصر میں ممتاز رہے، وہ محدث تھے، مفسر تھے، ادیب تھے، شاعر تھے، صوفی مزاج تھے، صوفیانہ لطائف ومعارف سے بہت ذوق

تھا، مرحوم اپنے فضل وکمال کے پیش نظر جس قدردانی کے مستحق تھے وہ نہ ہوسکی اور جس شہرت کے مستحق تھے وہ شہرت نہ ہوسکی، مکارم اخلاق عالمانہ تھے، لطیفہ گو اور حاضر جواب تھے، اپنی رائے پر پختہ تھے، کسی شخصیت سے کم مرعوب ہوتے تھے، اپنی رائے پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ اہل علم کے قدردان تھے، خفیف الجسم، لطیف الروح تھے، مزاج میں انتہائی سادگی تھی، دنیا کے بکھیڑوں سے بے خبر تھے، مطالعہ اور تصنیف میں ہمہ وقت مستغرق تھے، ان کے اوقات علم وعمل اور درس وتدریس سے معمور تھے، کتابوں کے عاشق تھے، نئ مطبوعہ کوئی کتاب جس قیمت سے بھی ملتی تھی خرید لیتے تھے، خوش مزاج تھے، مجلس لطائف وظرائف سے مالا مال ہوتی تھی، مہمان نواز تھے، آخری ملاقات وفات سے دو ہفتے پہلے ہوئی، الحمدللہ کہ حسب معمول نہایت شفقت ومحبت فرمائی، کسے معلوم تھا کہ یہ علمی پیکر، معارف ولطائف کا خزانہ، اخلاق کا مجسمہ، سراپا علم وفضل، محدث ومفسر، ادیب، یگانۂ روزگار ہستی اتنی جلد ہم سے رخصت ہونے والی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے درجات عالیہ نصیب فرمائے، اور اپنی خصوصی رحمت ورضوان سے مالا مال فرمائے، زلات وسیئات کو حسنات میں تبدیل فرمائے۔ افسوس کہ جنازہ کی شرکت سے محروم رہا، راولپنڈی میں اطلاع پہنچی تھی، ہوائی جہاز کی سیٹ نہ ملنے سے یہ سعادت نصیب نہ ہوسکی۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۴ھ۔ستمبر ۱۹۷۴ء]

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

{كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذوالجلال والاكرام}

كل ابن انثى وان طالت سلامته
يوما على آلة حدباء محمول

آہ! آج مسند علم وتحقیق، مسند تصنیف وتالیف، مسند تعلیم وتدریس، مسند بیعت وارشاد بیک وقت خالی ہوگئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۲۳/ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۸/دسمبر ۱۹۷۴ء اتوار کی صبح حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے داعی اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہوئے۔ اس مرد حق نے زندگی کی نوے منزلیں طے کرکے سفر آخرت کے لئے قدم اٹھایا، ختم ہونے والی زندگی ختم ہوگئی اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے لئے عالم برزخ میں قدم رکھا۔

مولانا عثمانی کی ذات سے تھانہ بھون اور سہارن پور کی پوری تاریخ وابستہ تھی، آپ عالم تھے اور ذکی عالم فقیہ تھے، اور محدث رجال حدیث کے محقق تھے، اصول حدیث کے نہ صرف ماہر بلکہ اس علم کی مہمات کو کتب حدیث ورجال سے تلاش وجستجو کے ذریعہ جمع کرنے والے تھے، اکابر امت اور جہابذۂ عصر کی توجہات کا مرکز رہے، مراکز علم میں علوم حاصل کئے اور مرکز صدق و صفا میں تربیت پائی، حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت وشفقت کے زیر سایہ تمام علمی و تصنیفی

کارنامے انجام دیئے، علمی جواہرات کوملفوظات وتقریرات کی صورت میں قلم بند کرتے کرتے خود صاحب جواہرات بن گئے، نسبی نسبت نے علمی وعرفانی نسبت تک پہنچادیا، تقریر وتحریر میں حکیم الامتؒ کے جلوے نظرآنے لگے، عربی کے ادیب تھے، شاعر تھے، عربی نظم ونثر پر یکساں قدرت تھی، علمی کمالات کے ساتھ مزاج میں حدرجہ سادگی تھی۔

مولانا عثمانیؒ کی وفاداری اوراخلاص شک وشبہ سے بالاتر تھا، بےشمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے، اگران کی تصانیف میں ''اعلاء السنن'' کےعلاوہ اورکوئی تصنیف نہ ہوتی تو تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات حدیث وفقہ ورجال کی قابلیت ومہارت اور بحث وتحقیق کے ذوق محنت وعرق ریزی کے سلیقہ کے لئے برہان قاطع ہے، اعلاء السنن کے ذریعہ حدیث وفقہ اورخصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدرخدمت کی ہےجس کی نظیرمشکل سے ملے گی، یہ کتاب ان کی تصانیف کا شاہکاراورفنی تحقیقی ذوق کامعیار ہے، علمی جواہرات کی قدرشناسی وہی شخص کرسکتا ہےجس کی زندگی اسی وادی میں گذری ہو، دوردراز مواقع اورغیرمظان سے جواہرات نکال کرخوبصورتی سے سجا کر رکھ دینا یہ وہ قابل قدرکارنامہ ہےجس پرجتنارشک کیاجائےکم ہے، موصوف نے اس کتاب کے ذریعے جہاں علم پراحسان کیاہےوہاں حنفی مذہب پربھی احسانِ عظیم کیاہے۔علمائے حنفیہ قیامت تک ان کے مرہون منت رہیں گے، بلا شبہ اس بےنظیر کتاب میں حکیم الامت قدس سرہ کے انفاس قدسیہ اورتوجہات عالیہ اورارشادات گرامی کابہت کچھ دخل ہے، لیکن حضرت مولانا ظفراحمد عثمانیؒ کےذریعےان کاظہور پُرنوران کےکمال کی دلیل ہے۔

۱۳۵۷ھ میں جب راقم الحروف قاہرہ میں مجلس علمی کی طرف سے ایک علمی خدمت پر مامور تھااورمیرے رفیق کارمولانا سید احمد رضا بجنوری تھے، اس وقت حکیم الامت قدس سرہ نے اعلاء السنن کےطبع شدہ اجزاء بھیجے اورخواہش ظاہر کی کہ جب تک تمہیں اس کی ضرورت

ہوا اپنے پاس رکھو اور ضرورت کے بعد حضرت شیخ محمد زاہد کو ہدیۃً پیش کردیں اور اگر ان کے ذریعہ قاہرہ میں عمدہ ٹائپ سے طبع ہوسکے تو بہت اچھا ہے اور بقیہ اجزاء غیر مطبوعہ بھی نقل کروا کر ارسال کردوں گا، حضرت شیخ کوثریؒ اس وقت دنیائے اسلام کے محقق عالم اور نادرۂ روزگار تھے اور علمائے احناف کے سرمایۂ افتخار اور بے نظیر محقق، وسیع النظر متبحر عالم تھے، ترکی الاصل تھے، فتنہ کمالیہ میں وطن سے ہجرت کرکے مصر میں مقیم تھے، جب کتاب میں نے پیش کی تو حضرت نے مطالعہ کرکے فرمایا کہ احادیث احکام میں حنفیہ کے نقطۂ نگاہ سے اس کتاب کی نظیر نہیں اور فرمایا کہ یہ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ قدماء کی کتابوں میں بھی اس استیعاب و استیفاء کے ساتھ ادلّہ حنفیہ کو جمع کرکے اس تحقیق و تنقیح کی مثال مشکل سے ملے گی اور پھر وہ تقریظ تحریر فرمائی جو کتاب کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

اعلاء السنن کا مقدمہ ''انہاء السکن'' کے نام سے تالیف فرمایا، یہ مقدمہ اصول حدیث کے نوادر اور نفائس پر مشتمل ہے، تمام کتب رجال اور کتب حدیث اور کتب اصول حدیث سے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ وہ نفائس جمع کردیئے ہیں کہ عقل حیران ہے، بجائے خود ایک مستقل بے مثال کتاب ہے۔

حلب کے مایہ ناز عالم ربانی اور دنیائے اسلام کے محقق فاضل اور ہمارے مخلص و محترم کرم فرما الشیخ ابوغدہ عبدالفتاح کو حق تعالیٰ شانہٗ جزائے خیر عطا فرمائے کہ جنھوں نے مصنف سے اجازت لے کر کتاب کا نام ''قواعد التحدیث'' تجویز فرمایا اور اس پر قابل قدر تعلیقات و اضافات و مقدمہ لکھ کر علم اور اہل علم پر احسان عظیم فرمایا اور نہایت آب و تاب کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کیا کہ جسے دیکھتے ہی دل سے دعا نکلتی ہے کہ کتاب جس خدمت کی مستحق تھی الشیخ ابوغدہ اطال اللہ بقاءہ نے اس خدمت کو خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں ان کی احسان مند رہیں گی۔

بہرحال کہنا یہ ہے کہ اس شہید علم کی یہ کتاب ہی ان کی آئینہ کمالات ہے، اگر اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی وشافی تھی حالانکہ ان کے قلم خوب رقم سے کتنے جواہرات مرصع خزانہ علم میں آئے ہیں، ان کی قابل رشک زندگی کا پہلو یہ ہے کہ آخر لمحہ حیات تک تدریس حدیث اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، ''اعلاء السنن'' کا پہلا حصہ جو احیاء السنن کے نام سے چھپا تھا وہ نامقبول ہوا تھا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں آگئی تھیں جس سے کتاب کا حسن ماند پڑ گیا تھا، اس کو دوبارہ ادھیڑ کر ''خذماصفاودع ماکدر'' کے پیش نظر جدید تصنیف بنائی، حق تعالیٰ کی ہزار ہزاروں رحمتیں ہوں اس شہید علم پر جس نے آخری لمحہ زندگی کو خدمت علم میں خرچ کیا، مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغت علوم کی سند حاصل کی اور وہیں عرصہ تک تدریس علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، پھر ڈھاکہ وغیرہ میں رہے، کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں رہے اور آخری زندگی کے تقریباً بیس سال دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں گذارے، افسوس یہ سال علمی سانحوں سے لبریز ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندہلوی کی وفات ایک علمی حادثہ تھا اور اس کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت عثمانیؒ کے عظیم سانحہ نے قلوب کو مجروح کر دیا، صدمہ اس بات کا ہے کہ ان اکابر کے رخصت ہوجانے سے ان کی مسند علم وفضل ہمیشہ کے لئے خالی ہوجاتی ہے اور کوئی اس کو پُر کرنے والا مستقبل میں بھی نظر نہیں آتا ہے، عرصہ دراز سے یہ دردناک سلسلہ یوں ہی جاری ہے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو رحمت ورضوان کے درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائیں اور ان کے لئے اجر وثواب کا عظیم سرمایہ بنائے اور ان کے زلات سے درگذر فرمائیں، آمین۔

[ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ۔جنوری ۱۹۷۵ء]

مولانا محمد یوسف عباسی رحمۃ اللہ علیہ

۲۱ ؍رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ کو مولانا محمد یوسف عباسی کا مردان میں انتقال ہوا ، افسوس کہ غیر موجودگی کی وجہ سے بروقت مطلع نہ ہوسکا، مولانا مرحوم مردان کے قریب ''طورو'' نامی بستی کے باشندے تھے، متحدہ ہند کی مختلف درسگاہوں میں تحصیل علم کرتے ہوئے آخر میں حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی مرحوم کی خدمت میں پہنچے اور معقول وفلسفہ کی کتابیں ان سے پڑھیں، خصوصی تعلق کی بنا پر حضرت موصوف کی توجہ کا خصوصی مرکز بن گئے اور انہیں بھی اپنے شیخ محترم سے انتہائی عقیدت ہوگئی، ۱۳۴۶ھ میں دورۂ حدیث کے لئے ڈابھیل پہنچے، یہی سال میرے دورۂ حدیث کا تھا، اس لئے میرا یہ ہمنام طالب علم، رفیق درس، رفیق مسکن اور رفیق معاشرت بنا، ہمارے درمیان تقریباً روزانہ مباحثہ رہتا تھا، میرا عقیدہ تھا کہ دور حاضر کے سب سے ممتاز ترین محقق اور جامع عالم حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ صاحب (رحمہ اللہ) ہیں۔ مرحوم کا خیال یہ تھا کہ اس شان کے عالم حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی ہیں، اس بحث کا فیصلہ اس دن ہوا جب ''صحیح بخاری''، ''کتاب الایمان'' کی ''حدیث ہرقل'' زیرِ درس آئی، جیسا کہ حضرت شیخ امام العصر کے اس درس کا طرۂ امتیاز تھا، اس حدیث کی تشریح وتحقیق میں اسلامی تاریخ، یہودیوں کے عہد عتیق، شروحِ تورات اور تالمود وغیرہ کے حوالے آئے اور فلاسفہ کے علوم، ان پر تنقید اور دیگر بے شمار مباحث پر سیر حاصل بحث ہوئی، اس دن مولانا عباسی مرحوم کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی، درس سے فراغت کے بعد ان پر وجد وکیف کا ایک خاص حال طاری تھا اور زبان سے بے ساختہ

قرآن کریم کی آیت کا قطعہ ’’وفوق کلّ ذی علم علیم‘‘ جاری تھا، بار بار اسی کا تکرار کررہے تھے، آج بھی ان کے وجد وکیف کا وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے ہے، گویا انہیں اس عالم سے تعلق نہیں تھا، بس یہی آیت وردِ زبان ہے، مجھے اپنے دعویٰ کی تائید کا موقعہ مل گیا، میں نے پوچھا کہ اب بتاؤ بڑے عالم کون ہیں؟ اور وہ جواب میں یہی آیت دہراتے، بہت اصرار وتکرار کے بعد اعتراف کیا کہ آج یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت مولانا انور شاہؒ اس دور کے سب سے بڑے جامع ومحقق عالم ہیں، بہرحال یہ مرحوم کی ذہانت وطباعی اور علمی شغف کا ایک واقعہ تھا جو نوکِ قلم پر آگیا۔

اسی طالب علمی کے زمانہ میں راقم الحروف سے رفاقت اور شدید تعلق ومحبت کے باوجود مرحوم میں علمی تنافس وتسابق کا جذبہ بھی غلو کی حد تک تھا، دورۂ حدیث میں اول آنے کے لئے وہ محنت کی کہ باید وشاید، اس وقت مشہور تھا کہ یوسفین میں سے کوئی اول آئے گا، اتفاق سے جب قرعہ فال راقم الحروف کے نام نکل آیا تو مرحوم کو قلبی قلق اور صدمہ ہوا جو مدت تک رہا، فراغت کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے تعلق بڑھ گیا تھا، انہی کے ذریعہ مسند تدریس پر پہنچے، بنارس میں خدمت تدریس کے ساتھ تجارت کا چسکہ پڑ گیا اور اس میں خاصا انہماک بلکہ غلو ہوا، مرحوم ازراہِ ہمدردی اپنے ہر عالم دوست کو تجارت کی ترغیب دیا کرتے تا کہ عوام میں ذلیل نہ ہو۔ بہرحال یہ ممتاز طالب علم، ممتاز عالم اور پھر تاجر بن گئے، مردان کے ’’ہوتی بازار‘‘ میں تجارت تھی لیکن علم سے تعلق آخر تک رہا، کبھی درس قرآن، کبھی درس حدیث، کبھی محاضرات کی شکل میں فیض رسانی کرتے رہے، یہاں تک کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔

[محرم الحرام ۱۳۹۵ھ۔فروری ۱۹۷۵ء]

مولانا محمد زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم جناب مولوی محمد زکی صاحب حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان کے بڑے صاجزادے یوم شنبہ ۱۱؍محرم ۱۳۹۵ھ، ۲۵؍جنوری ۱۹۷۵ء داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحوم ابھی ابھی تازہ تازہ دیار قدس حرمین شریفین کی حاضری سے واپس آئے تھے، فریضۂ حج بیت اللہ کے ارکان والہانہ انداز سے ادا کئے، آستانہ برکات مدینہ طیبہ کی حاضری بھی نصیب ہوئی، سفر حج میں لبیک لبیک کو ایسی قبولیت نصیب ہوئی کہ سفر آخرت کے لئے لبیک کہہ کر عالم آخرت کا سفر اختیار کیا، گویا حرمین شریفین میں قبولیت کے شرف سے متاع گراں مایہ کو عطا کرکے پُرآشوب دنیا سے ملوث نہیں کرایا گیا اور جلد ہی پاک وصاف کرکے اپنے پاس بلالیا، بلاشبہ ایسی موت ہر عاقل کے لئے قابل رشک ہے اور بلاشبہ پسماندہ اکابر واصاغر کے لئے اس قسم کی موت اور اس کا صدمہ قابل تسلی ہے، مرحوم نہایت ذکی، سنجیدہ، باوقار، مہمان نواز طبیعت کے مالک تھے، نہایت خلیق وطلیق تھے، شعروسخن سے بہرہ ور تھے، ''کیفی'' تخلص رکھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کو بڑھاپے میں اور پھر امراض کے ہجوم میں یہ صدمہ بلاشبہ عظیم صدمہ ہے لیکن ترقی درجات کے لئے ارحم الراحمین کے شئون وراء الوراء ہیں، حق تعالیٰ مرحوم کو رحمت ورضوان سے مالا

مال کر کے جنت الفردوس نصیب فرمائے، آمین۔ اور پسماندگان کو اجر جزیل وصبر جمیل نصیب فرمائے، آمین۔ الحمدللہ کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں تمام طلبہ نے ختم قرآن سے ایصال ثواب کیا اور اس طرح ایک ادنیٰ حق ادا کرنے کی توفیق نصیب ہوئی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

[صفرالمظفر ۱۳۹۵ھ-مارچ۱۹۷۵ء]

سیدہ فاطمہ بنوریہ رحمۃ اللہ علیہا

بلاشبہ اس دنیائے کون وفساد میں موت وحیات کی سنت مستمرہ ایسی جاری ہے کہ بجز صبر وانقیاد اور تسلیم ورضا کوئی چارہ کار نہیں، جس طرح یہ ایک حقیقت ہے اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض حوادث اتنے صبر آزما ہوتے ہیں کہ بڑا حوصلہ مند انسان بھی حوصلہ ہار جاتا ہے۔ ۴/ربیع الاول ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۸/مارچ ۱۹۷۵ء کو میری ایک تیس سالہ بچی سیدہ فاطمہ (جس کو عرصہ دراز تک سلمہا لکھا کرتا تھا، آج رحمہا اللہ لکھنا پڑا) سالوں کے مصائب وآلام برداشت کر کے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سیدہ فاطمہ رحمہا اللہ کا مرثیہ درحقیقت صبر وشکر کا نوحہ وفریاد ہے، فاطمہ کی وفات کا صدمہ عبادت وتقوی کا رونا ہے، فاطمہ کا ماتم حیا وشرافت کا ماتم ہے، حق تعالیٰ نے مرحومہ کو وہ فطری کمالات عطا فرمائے تھے جو اس دور میں نہ کہیں دیکھے نہ سنے۔ فاطمہ پر آنسو بہانا درحقیقت بہت سے فضائل وبہترین خصائل کا رونا ہے، میں نے اپنی ستر سالہ زندگی میں اپنے عزیزوں اور اقرباء میں تو کیا اپنے حلقہ احباب وحلقہ تعارف اور اپنے دائرہ علم میں بھی ایسا پیکر صبر اور سر سے پیر تک شکر کا مجسمہ کہیں نہیں دیکھا نہ سنا، تقریباً اڑھائی برس کی عمر سے تیس سال تک مرحومہ جن آلام وامراض کا تختہ مشق بنی اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ایک حادثہ میں ناک میں زخم سے ناسور ہوگیا۔ بارہ سال کی عمر میں اسی حادثہ کی وجہ سے بینائی سے محروم ہوگئی، بینائی کی

محرومی سے سالہا سال تک سر میں درد اور آنکھ کی پتلیوں کے درد و کرب میں مبتلا رہی، اسی عرصہ میں ایک بار گر گئی ہاتھ ٹوٹ گیا مگر کسی کو خبر نہیں کی خود غلط جڑ گیا۔ ایک بار ٹانگ جل گئی، کھال ادھڑ گئی، پھر بدن کے نچلے حصہ میں ایسا استرخا ہو گیا کہ جس سے بوٹی کاٹی جائے تو احساس تک نہ ہو، اس سے شفایاب ہو گئی تو مرض دق میں مبتلا ہو گئی، مسلسل چار ماہ مکمل علاج کے بعد شفاء حاصل ہو گئی، پھر فالج کا حملہ ہوا پھر اچھی ہو گئی، دل کے امراض کا شدید و مدید ابتلاء پیش آیا۔ ان تمام امراض و اوجاع کو جس صبر سے برداشت کرتی رہی عقل حیران ہے۔ معمولی صحت و نعمت پر جس انداز سے شکر گذاری کرتی رہی وہ محض حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ایک حیرت انگیز کرشمہ تھا۔

ان مصائب و آلام میں راتوں کا جاگنا، عبادت کرنا، بارہ سال کے سن میں بصارت کے زوال کے بعد حفظ قرآن کی نعمت سے سرفراز ہوئی، تمام رات کو تلاوت و ذکر اللہ میں گذارنا، گھنٹوں سجدوں میں خشیت الٰہی سے آہ و بکا کرنا، آلام و مصائب پر آہ نہ کرنا، خوف خدا سے گھنٹوں آہ و بکا کرنا، کیا کیا کہا جائے اور کہاں تک لکھا جائے! اس طویل مصائب و حوادث کی زندگی میں الحمدللہ کہ دو سال حرمین شریفین کا قیام دو سفروں میں نصیب ہوا، تین حج نصیب ہوئے، بے شمار عمروں کی دولت ملی، پانچ سال کی عمر میں زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کی پہلی مرتبہ سعادت نصیب ہوئی تھی، راتوں کو جاگنا اور طواف کرنا اور آہ و بکاء کی توفیق نصیب ہوئی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

۲۹ رسال کی عمر میں ازدواجی زندگی میں قدم رکھا، یہ سنت بھی پوری ہو گئی۔ ایک بچی سیدہ عاصمہ کی والدہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا، جو والدہ کی وفات سے چند ہی روز قبل ذخیرہ آخرت بنی، عقلاً تو مجھے سکون ہوا کہ مرحومہ کی پُرآلام حیات کا خاتمہ ہو کر حیات جاودانی کی سعادت ملی اور حق تعالیٰ کی رحمت بے پناہ کی توقع پر انتہائی سکون کے لمحات مل گئے، لیکن جب ان مجسمہ

کمالات کی مفارقت کو دیکھتا ہوں اوران کی طویل مظلومی ومسکینی ومحرومی کی داستان سامنے آتی ہے تو طبعًا انتہائی صدمہ ہوتا ہے، زندگی میں عقل وطبع کے اس تجاذب وکش مکش کا ایسا ابتلا کبھی پیش نہیں آیا۔

ان مجاہدات وریاضات میں حق تعالیٰ نے قرآن کریم کا عجیب وغریب ذوق مرحومہ کو عطا فرمایا تھا۔ ایسا شرح صدر ہوا کہ آیات کریمہ کے ایسے خواص کا انکشاف ہوا کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ صبر وشکر کا یہ پیکر، رضا بالقضاء کی تصویر، نالہ وفریاد کا یہ مرغِ سحری ہم سے کیا جدا ہوا کہ قلب کا انس وسکون ختم ہوا، دل ودماغ پر، گھر کے در ودیوار پر وحشت طاری ہوئی۔ گویا ایک نور کا وجود تھا جس کے غروب سے ظلمت چھا گئی، چھ سال کی عمر سے نو سال کی عمر تک تین سال میں ٹنڈو اللہ یار میں لڑکیوں کے اسکول میں جو گھر سے متصل تھا، پانچ جماعتیں پڑھیں، اس معمولی تعلیم کی وجہ حساب میں وہ مہارت کہ حیرت ہوتی تھی۔ ان تمام امراض وتکالیف میں حافظہ کی قوت اور دماغ کا استحضار قابل حیرت تھا۔ مرض موت میں اپنے شوہر مولانا محمد انور بدخشانی سے تجوید وقرأت میں مقدمہ جزریہ پڑھا، منطق کی مشہور کتاب شرح تہذیب پڑھی، زبانی تفسیر قرآن پڑھتی رہی۔ تعجب ہے کہ یہ ہمت وقوت کہاں سے آئی، اس لئے فاطمہ کا ماتم درحقیقت بہت سے مفاخر اور فضل وکمال کا ماتم ہے۔ حق تعالیٰ کی ہزاروں ہزار رحمتیں ان پر نازل ہوں۔ یہ تمام آلام ومصائب بارگاہِ قدس میں رفع درجات کا وسیلہ ہوں۔

اللهم اغفر لها وارحمها وعافها واعف عنها واكرم نزلها ووسع مدخلها وارزقها دارًا خيرًا من دارها واهلًا خيرًا من اهلها واغسلها بالماء والثلج والبرد، ونقّها من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس وأدخلها الجنة واعذها من عذاب القبر وعذاب النار واعظم لنافي موتها الاجر وألهمنا الصبر آمين يا أرحم الراحمين.

۴؍ربیع الاول ۱۳۹۲ھ کو رفیقۂ حیات داغ مفارقت دے گئی تھی، ٹھیک تین سال بعد اسی تاریخ ۴؍ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کو یہ لخت جگر ہم سے جدا ہوگئی۔ ''بصائر وعبر'' کا خامہ فرسا اپنے محسن قارئین بصائر وعبر سے التجا کرتا ہے کہ بقدر فرصت وہمت مرحومہ کو ایصال ثواب کر کے اجر آخرت سے سرفراز ہوں، بجائے خطوط، تعزیت وہمدردی ایصال ثواب پر توجہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہ ناز ہے کس کی
ہزاروں اٹھ گئے رونق وہی باقی ہے مجلس کی

بہت سے خطوطِ تعزیت اور تار احباب ومخلصین کے پہنچ رہے ہیں، فرداً فرداً جواب سے معذرت خواہ ہوں۔ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان محسنین کو جزاء خیر عطا فرمائیں، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ۔مئی ۱۹۷۵ء]

الفقيد الراحل جلالة الملك
شاہ فیصل شہید رحمۃ اللہ علیہ

فما کان قیس هلکه هلك واحد
لکنه بنیان قوم تهدما

''بصائر وعبر'' کی کتابت ہوچکی تھی کہ یہ دردناک حسرت ناک خبر آج ۲۵؍مارچ ۱۹۷۵ء، ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۹۵ھ کو ۵؍بجے شام پاکستانی ریڈیو نے نشر کی کہ شاہ فیصل کو ان کے ظالم بھتیجے نے گولی کا نشانہ بنادیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مملکت سعودی کا یہ فرمانروا عصر حاضر کا سیاسی مفکر، اسلامی اتحاد کا داعی، جہاد فلسطین و قدس کا علمبردار، شعائر اسلام کی حفاظت میں بے مثال غیور فرمانروا تھا، ان کی شہادت پر جتنا ماتم و نوحہ کیا جائے کم ہے۔ اس نازک ترین دور میں عرب و اسلامی دنیا کو ان کی بڑی ضرورت تھی، اس وقت یہ پاسبان حرم اور خادم الحرمین الشریفین صرف حرمین وحجاز اور ریاض کا پاسبان نہ تھا بلکہ سچ یہ ہے کہ تمام عالم اسلامی اور تمام ممالک عربیہ کا پاسبان تھا، عرصہ کے بعد مسلمان وعرب سلاطین میں ایسا معتدل المزاج مدبر فرمانروا پیدا ہوگیا تھا، جس کے تدبر وسیاست نے برطانیہ وامریکہ کو پریشان کررکھا تھا، جس کے جودوکرم، نوال وعطا اور جودوسخا نے تمام پارینہ داستانوں کو پارہ پارہ کردیا تھا، جس کے حسن اخلاق اور بردباری نے دشمنوں کو دوست بنالیا تھا، جس نے مصری سادات

حکومت پر رحم و کرم کے خزانے کھول دیئے تھے۔ اسے ۷۵ رملین ٹن پیٹرول دیا، سقوط نہر سوئز کا ابتداء سے آج تک جتنا خسارہ ہوا وہ سب پورا کر دیا، نہر سوئز کے شہر پورٹ توفیق کو جو اسرائیل کی بمباری سے تباہ و برباد ہو گیا تھا مکمل طور پر دوبارہ آباد کرنے کا تکفل کیا۔ جس نے مصری حکومت کی اعانت کے لئے جہاد فلسطین و قدس کے واسطے مصر میں دو بینک کھول دیئے اور یہ اعلان کیا کہ اس مقصد کے لئے جتنی امداد کی ضرورت ہو وصول کر لیا کریں۔ جس نے شام کی حکومت کو ۳۵ر کروڑ ڈالر بطور قرض ۱۵ر کروڑ ڈالر کی امداد اور بیس کروڑ ڈالر ترقیاتی کاموں کے لئے دینے منظور کئے، جس نے عمان کی حکومت کو ایک کروڑ پچاس لاکھ ڈالر ماہانہ اور ڈیڑھ کروڑ ڈالر اپنی آمد کے موقعہ پر بطور خاص دینے کا اعلان کیا تھا، جس نے تنظیم آزادی فلسطین کو پچاس لاکھ ڈالر سالانہ امداد دینے کا اعلان کیا تھا، جس نے پاکستان کے زلزلے میں ایک کروڑ ڈالر کا عطیہ دیا، سربراہ کانفرنس میں تیس کروڑ کا عطیہ دیا، جس نے پاکستان کی سلامتی اور امداد میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

یہ تو مرحوم کے دریائے سخا کے چند قطرے ہیں، ورنہ عالم اسلام میں ان کی سخاوت وجود کی نہریں بہہ رہی ہیں، اپنی یازدہ سالہ حکومت میں عرب اور مسلمانوں پر وہ عظیم احسانات کئے جو قیامت تک دنیا یاد رکھے گی۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے زمین کے خزانے کھول دیئے تھے۔ ۲۹ر ارب ڈالر سالانہ تک تیل کی آمدنی پہنچ گئی تھی، لیکن الحمدللہ کہ اس مرد حق نے بھی خوب شکر ادا کیا، مسلمانوں کی امداد کے لئے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیئے تھے۔ ان کی موت بلاشبہ تمام عالم اسلام کے لئے دور حاضر کا سب سے بڑا المیہ ہے، عرب سیاست میں ان کی رحلت سے جو خلا پیدا ہو گیا بمشکل پُر ہوگا۔ ان کے بھتیجے فیصل بن مساعد کے ہاتھ سے یہ حادثۂ کبریٰ پیش آیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خدا کا شکر کہ مرحوم عمر کے آخری مراحل میں نالہائے سحری کے عادی ہو گئے تھے، نماز کے پابند تھے، مزاج میں تواضع ومسکنت کی انتہاء تھی۔ راقم الحروف کو دو مرتبہ خصوصی ملاقاتوں میں قریب سے قریب تر ہو کر ان کی شخصیت کو پڑھنے اور دیکھنے کا موقع ملا تھا اور ان کے وقار ومتانت اور اسلامی ہمدردی کے گہرے نقوش قلب پر مرتسم ہو گئے تھے، حق تعالیٰ ان کے زلات کو معاف فرمائے اور جس طرح دولت کے خزانے ان کی زندگی میں ان کے لئے کھول دیئے تھے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد اپنی عفو ومغفرت اور رحمت بیکراں کے دروازے ان پر کھول دے، دولت وثروت کی زوال پذیر سلطنت کے بدلے محض اپنے فضل وکرم سے رحمت ورضوان کی لازوال سلطنت انہیں نصیب فرمائیں (آمین) اور ان کے جانشین خالد بن عبدالعزیز کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائیں (آمین)۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ-مئی ۱۹۷۵ء]

مولانا عبدالودود مردانی رحمۃ اللہ علیہ

ماہ صفر ۱۳۹۵ھ میں گڑھی کپورہ ضلع مردان کے ہمارے ایک مخلص وصالح عالم دین مولانا حافظ عبدالودود صاحب واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم نے تمام عمر سلف کے طرز پر حفظ قرآن سے لے کر درسی علوم کے مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں، خاموشی کے ساتھ قناعت کی زندگی بسر کی، جمعیۃ العلماء احناف یوسف زئی کے ناظم اعلیٰ بھی تھے، کچھ عرصہ جمعیۃ علماء اسلام کے لئے شیخ الاسلام حضرت الاستاذ عثمانی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں بھی خدمات انجام دیتے رہے۔ مرحوم سنجیدہ باوقار اور مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے، حضرت مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ بہبودی والوں سے شرف بیعت بھی حاصل تھا۔ اس طرح تھانوی سلسلہ کے فیض یافتہ تھے، تراویح میں ختم قرآن کریم کا معمول رہا، صرف آخری رمضان المبارک میں علالت کی وجہ سے صرف ۲۲/ پارے سنائے مگر ختم نہ کر سکے۔ شب وفات میں عشاء کی نماز باجماعت کی سعادت نصیب ہوئی، تہجد کے لئے پانی رکھوایا، عین تہجد کے وقت آخری شب میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حق تعالیٰ مغفرت ورحمت ورضوان کے مقامات عالیہ نصیب فرمائیں۔ آمین۔

[جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ - جون ۱۹۷۵ء]

آہ! علامہ ابوالوفا قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

نشستہ در ظلم با قمر چہ کار مرا
چراغ تیرہ شبم با سحر چہ کار مرا

حضرت مولانا ابوالوفا قندھاری افغانی کی روح مبارک ملأ اعلیٰ کی طرف پرواز کرگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

إذا جاء أجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون.

آج رات ۲۵، ۲۶/جولائی ۱۹۷۵ء کی درمیانی رات شنبہ ۱۷/رجب المرجب ۱۳۹۵ھ حیدرآباد دکن سے ایک تار یہ دردناک خبر لے کر آیا کہ حضرت مولانا ابوالوفا وفات پا گئے، ٹیلیگرام ۲۳/جولائی کا ہے، نہ معلوم وصال کب ہوا۔ افسوس کہ ان چند ماہ میں آسمان علم کے کیسے کیسے آفتاب وماہتاب اور درخشاں ستارے یکے بعد دیگرے غروب ہوتے گئے۔ بصائر وعبر کے مرثیہ خوان قلم کی روشنائی خشک ہونے سے پہلے نو بہ نو مصیبت کی مرثیہ خوانی کرنی پڑ رہی ہے، حضرت والا مولانا سید محمد زکریا رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کی جان کاہ مصیبت کا پہاڑ سر پر ٹوٹا، جس نے دماغ کو پاش پاش کردیا، ان ٹکڑوں کو سمیٹنے سے فرصت نہیں ملی تھی کہ ایک باخدا عالم، گمنام درویش، دور حاضر کے ولی اللہ، پارسا، متقی، زاہد، فقہ حنفی کے محقق، حنفیہ کے محسن اعظم، فاضل قندھاری کی وفات نے حواس باختہ کردیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

افغانستان وقندھار کا یہ مایہ ناز عالم جس نے حیدرآباد دکن کو اپنا گہوارہ علم بنالیا تھا، ان کے کمالات وصفات کے بیان کے لئے دفتر چاہیئے۔ وہ فقہ حنفی کے امام تھے، قدماء حنفیہ کی کتابوں کے حافظ تھے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے عاشق تھے، جس دیدہ ریزی سے ان ائمہ کی کتابوں کو دنیا کے گوشہ گوشہ سے جمع کر کے ان کی حفاظت کرتے تھے اور پھر ان کی اشاعت کے انتظامات کرتے تھے آج کی دنیا اس کا اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہے، زہد وتقوی کا یہ پیکر مجسم جس مقام پر پہنچا تھا یہ عیش پرست دنیا اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی، ورع وخشیت کا جو درجہ ان کو نصیب تھا عصر حاضر کا گمان بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

حیدرآباد دکن جیسے شہر میں جس کی عیش پرستی کے سیلاب میں پہاڑ بھی بہہ گئے اور جہاں بڑوں بڑوں کے قدم بھی پھسل گئے، اس مردخدا کے پائے استقامت کو کیا مجال کہ ذرہ برابر بھی لغزش ہوئی ہو، مرحوم صحیح معنی میں عالم باعمل تھے، قرآن کے حافظ تھے، عشرہ قرأت کے عالم تھے، تجوید وقرأت میں دو کتابوں کے مصنف تھے، رات کو جب اٹھتے تھے تو جب تک وضو کرتے تھے اور نماز کی تیاری کرتے تھے دردناک فارسی اشعار پڑھتے تھے اور خوب رویا کرتے تھے، پھر تہجد میں طویل طویل قیام کرتے تھے اور دردناک لہجے میں اس والہانہ انداز میں قرآن کریم کی قرأت کرتے کہ سننے والوں کو تڑپادیا کرتے تھے اور بسااوقات آہ وبکا کی کیفیت طاری ہوتی تھی، صبح کی نماز خود پڑھایا کرتے، طوال مفصل کی بڑی سورتیں پڑھتے تھے اور کبھی کبھی نماز میں حفص رحمہ اللہ کی قرأت کے علاوہ بقیہ قرأت سبعہ میں سے کوئی قرأت پڑھا کرتے تھے۔ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن میں عرصہ دراز تک مدرس اور استاذ رہے تھے، بعد میں معمولی سی پنشن ہوگئی تھی، بس اسی حقیر سی پنشن سے قوت لایموت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ کسی رئیس جاگیردار کا نہ کھاتے تھے، نہ کسی حیدرآبادی رئیس وجاگیردار کی دعوت قبول کرتے تھے۔ وہ جاگیردار جو صالحین میں شمار ہوتے تھے کبھی ان کے یہاں بھی چائے کا ایک گھونٹ تک نہیں پیا، باوجود اس کے یہ تمام حضرات رؤساء

وجاگیرداران سے ایسی عقیدت رکھتے اوران کا ایسا احترام کرتے تھے کہ عقل حیران ہے، کمال یہ ہے کہ کبھی ان رؤسا کے یہاں ملنے جایا کرتے تھے لیکن نہ چائے نہ پانی۔

عالم ہو یا غیر عالم، غنی ہو یا فقیر کسی کا ہدیہ قبول نہیں کیا کرتے، خیرات وصدقات تو کجا! نہایت مخلصانہ ہدیہ جو بغیر اسراف کے ہو وہ بھی کبھی قبول نہیں کیا، یہ ان کا ایک خاص اضطراری ذوق تھا، کسی کی حجت ودلیل نہیں سنتے تھے، اس سلسلہ کے بڑے دلچسپ واقعات ہیں۔ (۱)

مولانا محمد انواراللہ صاحب مرحوم کے شاگرد رشید تھے، اکثر کتابیں حیدرآباددکن میں مرحوم سے پڑھی تھیں، اس لئے حیدرآباددکن بعد میں ان کا مسکن اور وطن ثانی بنا، موصوف کی

---

۱) یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے، جو خود حضرت بنوری مدظلہٗ کو پیش آیا، وہ حضرت ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ایک زمانہ میں مولانا مرحوم پر تنگی کا ایسا دور تھا کہ کئی کئی دن کا فاقہ ہوتا، مجھے (حضرت بنوری کو) مرحوم کا اصول معلوم تھا کہ وہ کسی کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا کرتے، میں نے مولانا محمد موسیٰ میاں افریقی کو مولانا کے بارے میں لکھا، انہوں نے مرحوم کے نام بغیر کسی تعارف کے کچھ رقم بھیجی، مرحوم نے مجھے ڈابھیل خط لکھا کہ یہ افریقہ میں کون صاحب ہیں جنہوں نے مجھے رقم بھیجی ہے، اور میرا پتہ ان کو کس نے بتایا؟ اور یہ کہ میں اس رقم کو واپس کرنا چاہتا ہوں اس کی واپسی کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟ میں نے کہا کہ یہ ایک مخیر عالم ہیں علماء کرام کو عموماً ہدایا بھیجتے رہتے ہیں، ان کو آپ کے نام سے واقفیت ہوگی، اس لئے انھوں نے آپ کو بھی ہدیہ بھیج دیا ہوگا، آپ اسے واپس نہ کیجئے بلکہ قبول فرمالیجئے۔ آپ کو وہ حدیث معلوم ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ مال عطا فرمانا چاہا تو انھوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! کسی ایسے شخص کو دیجئے جو مجھ سے زیادہ ضرورت مند ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بغیر اشراف نفس کے کچھ مل جائے تو اسے قبول کرلیا کرو" اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ زاہد نہیں، لہٰذا آپ بھی اس ہدیہ کو جو اشراف نفس کے بغیر آیا ہے رد نہ فرمائیے۔ مرحوم نے اس کے جواب میں لکھا کہ تم نے یہ حدیث نہیں پڑھی کہ "الید العلیا خیر من الید السفلی"، میں نے لکھا کہ اول تو یہ حدیث ہدیہ سے متعلق نہیں بلکہ صدقہ سے متعلق ہے، علاوہ ازیں "ید علیا" کی ایک تفسیر لینے والے ہاتھ سے بھی کی گئی ہے۔ بہر حال آپ کے پاس اس ہدیہ کے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مرحوم نے پھر لکھا کہ میں یہ دروازہ ایک دفعہ بند کرچکا ہوں، اب تمہاری تلقین سے اس کو کھولنا نہیں چاہتا، بس مجھے یہ بتاؤ کہ یہ رقم کیسے واپس کی جائے؟ اس کے بعد خط آیا کہ اب مجھے طریقہ معلوم ہوگیا ہے۔ بہر حال اس شدید تنگی میں بھی موصوف نے اس رقم کا ایک حبہ تک استعمال نہیں کیا بلکہ پوری کی پوری رقم واپس کرکے دم لیا۔ کیا اس حرص وطمع کے دور میں اس کی نظیر مل سکتی ہے؟ اس نوعیت کے نہ جانے کتنے واقعات مرحوم کو پیش آئے ہوں گے۔ مدیر)

زندگی کا سب سے بڑا قابل صد فخر کارنامہ ”احیاء المعارف النعمانیۃ“ جیسے ادارے کی تاسیس ہے، اس ادارے کا اساسی مقصد یہ تھا کہ حضرات ائمہ کرام، امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد بن الحسن شیبانی رحمہم اللہ کی اصلی کتابوں کو مہیا کر کے تعلیقات ومقدمات کے ساتھ عمدہ سے عمدہ صورت میں شائع کیا جائے۔ اس کے بعد طبقہ ثانیہ وثالثہ کے ائمہ فقہا حنفیہ کی تالیفات کی خدمت کی جائے۔ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ جیسی ہستی اس ادارے کی معاون رکن بن گئی اور جیب خاص سے ایک رقم بھی عطا فرمائی، اس لحاظ سے حضرت شیخ کی رہنمائی اور اعانت کا شرف اس ادارے کو حاصل رہا اور حضرت شیخ کی رہنمائی سے ہی یہ معلوم ہوا کہ قاہرہ میں ایک محقق حنفی عالم الشیخ محمد زاہد کوثری موجود ہیں، چنانچہ امام العصر کے بعد دوسری ہستی، محقق روزگار، متصلب حنفی، وسیع النظر، ترکی علامہ کی سرپرستی بھی ان کو نصیب ہوئی، ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۷۱ھ تک مدۃ العمر حضرت شیخ کوثری اس ادارے کے بے نظیر علمی معاون اور رہنما رہے، نہ صرف رہنما بلکہ مقدمات وتعلیقات میں نام بے نام اصلاح فرمایا کرتے تھے اور استنبول کے علمی کتب خانہ کے نوادرات کی اطلاع دیا کرتے تھے، اور ان کے فوٹو وغیرہ منگوانے میں ان کی رہنمائی فرمایا کرتے تھے اور طباعت کے لئے کتابوں کا انتخاب ان کی رائے سے ہوتا تھا، قاہرہ میں شیخ رضوان محمد رضوان ان کی رہنمائی سے وکیل احیاء المعارف منتخب ہوئے، جن کی کوششوں سے احیاء المعارف کی کتابیں قاہرہ میں آب وتاب سے عمدہ تصحیح کے ساتھ چھپنی شروع ہوگئیں، حضرت شیخ کوثری کی رہنمائی ہی سے ادارہ نادر ترین مخطوطات سے مالا مال ہوگیا اور امام ابو زید دبوسی اور امام جصاصؒ کی نوادر مؤلفات ادارے میں پہنچ گئیں، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری کا امام العصر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے ادارے سے تعلق ہوا، ”کتاب الحجۃ علی أھل المدینۃ“ انہی کی تصحیح ومقابلہ وتعلیقات سے حیدرآباد میں طبع ہوئی، رفتہ رفتہ مجلس علمی ڈابھیل کی بھی توجہ ہوئی اور

امام محمد بن الحسن کی کتاب الآثار کی شرح مولانا ابوالوفا صاحب رحمہ اللہ سے لکھوانے کی خواہش کی، جس کی دو جلدیں طبع ہوگئیں اور غالباً شرح پوری نہ ہوسکی یا طباعت پذیر نہ ہوسکی۔ راقم الحروف بنوری کو ۱۳۵۰ھ میں اس ادارے کی مجلس عاملہ کا رکن منتخب کیا گیا۔ بعد میں غالباً مولانا عبدالرشید نعمانی کو بھی ادارے کا ممبر بنایا، الغرض احیاء المعارف النعمانیہ کے ذریعہ جس طرح ٹھوس علمی خدمت کی اور قدماء ائمہ اور قدماء فقہاء حنفیہ کی کتابیں عمدہ ترین ٹائپ میں تعلیقات ومقدمات کے ساتھ شائع کرتے رہے، یہ قیامت تک ان کی یادگار رہے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ ان کے لئے صدقہ جاریہ رہے گا۔

احیاء المعارف النعمانیہ کی جس انہماک وشغف اور عشق ومحبت سے علمی خدمت کی اس کی نظیر ہم نے نہ کبھی دیکھی نہ سنی اور اگر نہ دیکھتے تو یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ ایسی کوئی ہستی بھی ہوگی جو اس انداز سے خدمت کرتی ہو۔ شب وروز علاوہ عبادت وسحر خیزی کے یا تصحیح ومقابلہ ہے یا تعلیق کا کام ہے اور کمال تو یہ تھا کہ خود ایک حبہ تک کا معاوضہ مجلس سے نہ لیتے تھے اور کوشش یہ ہوتی تھی کہ دوسرا شریک کار مقابلہ کے لئے بھی ایسا ملے کہ معاوضہ نہ دینا پڑے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآبادی متع الله الامة بخدماته الدينية جو آج کل پیرس میں قیام پذیر ہیں، وہ ادارے کی مجلس عاملہ کے رکن تھے ان سے بھی مقابلہ وتصحیح کی خدمات لیتے تھے، انتہائی بوس تکلیف کی زندگی گذارتے تھے اور انتہائی معمولی حقیر پنشن پر زندگی بسر کرتے تھے لیکن کیا مجال کہ کوئی معاوضہ مجلس سے وصول کریں، آج انہی کے اخلاص واحتیاط کی برکت سے ادارے کے کتب خانے میں بے شمار علمی مخطوطہ نوادر کا ذخیرہ جمع ہوگیا اور مطبوعات کا بڑا سرمایہ فراہم ہوگیا، خود مرحوم کا بڑا نادر کتب خانہ تھا، نہ معلوم کہ ان ذخائر علمیہ اور علمی خزانوں کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ حضرت مرحوم نے تجرد کی زندگی گذاری اور تمام زندگی علمی خدمات کی نذر کی اور تقریباً

پچاس برس تک احیاء المعارف کی جلیل القدر قابل رشک خدمات انجام دیں، مرحوم کی برکت سے کتب ستہ میں سے پہلی مرتبہ الجامع الکبیر مصنفہ امام محمد بن الحسن عمدہ تعلیقات ومقدمہ کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہوگئی اورامام ابو یوسف کی کتاب الآ ثار کا پہلی مرتبہ دنیائے علم کوعلم ہوا کہ امام ابو یوسف کی بھی کتاب الآ ثار ہے، مرحوم ہی کی کوشش سے حکومت کے مطبعہ دائرۃ المعارف سے امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب المبسوط شائع ہونی شروع ہوئی۔

اس شہید علم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں جس نے اس پرآشوب دور میں سلف صالحین کی یاد تازہ کردی، میرا انتہائی اصرار رہا کہ ادارے کو پاکستان کراچی منتقل فرمادیں، میری طرف سے ہرممکن امداد سے دریغ نہ ہوگا کیونکہ مجھے یہ محسوس ہورہا تھا کہ آپ کے بعد ادارے کا مستقبل تاریک ہے اوراس شمع فروزاں کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہوگا، میرے اصرار پر بات سمجھ میں آگئی تھی اور وعدہ فرمایا کہ اگرارکان مجلس راضی ہوں تو میں اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھاؤں گا لیکن افسوس کہ یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا، کاش اگر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآباد میں ہوتے تو شاید ادارے کی حیات کی صورت باقی ہوتی، مقدرات کا کیا چارہ کار کیا جائے، تفصیلات تو معلوم نہیں لیکن اجمالاً تو مایوسی ہے، خدا کرے کہ مایوسی کی اس شب دیجور میں کوئی امید کی کرن پیدا ہو۔

مولانا ابوالوفا قندھاری افغانی کی وفات سے ورع وزہد کا ایک پیکر، تقویٰ وخشیت الٰہی کی قوی روح، جہد وسعی کا ایک حیرت انگیز نمونہ، سلف صالحین کی عجیب یادگار، بوس وخمول کی حیثیت سے ہو یا قناعت وزہد کی جہت سے ہو ایک عظیم ترین شخصیت دنیا سے رخصت ہوگئی، بس اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ ایک ضعیف ونحیف جسم میں قدیم ترین سلف کی روح جلوہ گر ہوگئی تھی، عصر حاضر میں اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا علم وعمل، شب خیزی اور نالہائے سحری کا یہ بلبل

ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا، بہار دنیا میں جوروز افزوں خزاں کی ہوائیں چل رہی ہیں بجز قدرت خداوندی کوئی توقع نہیں کہ دوبارہ اس چمنستان دہر میں ایسا گلدستہ نمودار کرے جس کی خوشبو سے دماغِ علم معطر ہو، وفی اللہ عزاء من کل فائت۔ حق تعالیٰ ان کی روح پرفتوح پر جنت الفردوس کے دروازے کھول دے اور نعیم جنت کے رحمت ورضوان کے وہ مقامات عالیہ نصیب فرمائے جوارحم الراحمین کی رحمت ازلیہ کے شایان شان ہوں۔

اللّٰهم اغفر له، اللّٰهم ارحمه، اللّٰهم ارفع درجاته عندك فى مقعد صدق يارب العٰلمين.

قاری محمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم قاری محمد حسن صاحب امروہوی نے جمعرات ۹ر جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹ر جون ۱۹۷۵ء صبح کو داعی اجل کو لبیک کہا، مرحوم قاری محمد صدیق بنگالی استاذ مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ کے شاگرد رشید تھے، لیکن اپنی خداداد قابلیت اور موزونیتِ طبع سے حسن تجوید وحسن قرات اور حسن تلاوت کے اس مقام پر پہنچے تھے کہ متحدہ ہندوستان میں ان کی کوئی ہمسری نہیں کرسکتا تھا، میں نے اپنی زندگی میں اتنا موثر پڑھنے والے قاری کو کبھی نہیں دیکھا، نہایت وقار وخشوع کے ساتھ دردناک آواز میں اس انداز سے تلاوت فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ قرآن آج نازل ہورہا ہے، خصوصاً فجر کی نماز میں سننے والوں پر ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ دنیا ومافیہا سے غائب ہوجاتے تھے۔ رنگون، راندیر، سورت، ریاست قلات میں زندگی گذاری، آخری زندگی کراچی میں گذری۔

افسوس کہ کوئی اپنا شاگرد رشید ایسا نہیں چھوڑا جس سے ان کی یاد تازہ ہو، طبیعت میں انتہائی ظرافت تھی، خوش مزاج مرنج مرنجان تھے، ان میں محاکات کا مادہ غضب کا تھا، جب کسی کی نقل اتارتے تو اصل سے یہ نقل بڑھ جاتی تھی، کبھی کبھی مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں بعد عصر تشریف لایا کرتے تھے، ان کی آمد سے اچھی خاصی محفل قرأت آراستہ ہوجاتی تھی، طلبہ سے قرآن سنتے اور خود بھی سناتے، اچھے پڑھنے والوں کے بڑے قدردان تھے اور ان کی قراءت سے بے حد محظوظ ہوتے تھے۔ افسوس کہ راقم الحروف اپنی علالت کی وجہ سے نماز جنازہ میں شرکت سے محروم رہا۔

رحمه الله رحمة واسعة، وارفع درجاته في مقعد صدق عند مليك مقتدر.

مولانا ابواحمد عبداللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

پنج شنبہ ۲۹/جمادی الاخری ۱۳۹۵ھ ،مطابق ۱۰/جولائی ۱۹۷۵ء کو قبیل مغرب گوجرانوالہ میں حضرت مولانا ابواحمد عبداللہ لدھیانوی کا قریباً ۹۳/سال کی عمر میں انتقال ہوا،

إنا للہ وإنا إلیہ راجعون

مرحوم موضع بلیہ وال ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب) کے ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے ،مرحوم کو مولانا نوراحمد امرتسری ،مولانا مفتی محمد حسن، مولانا سلطان محمود، امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (نوراللہ قبورہم) سے شرف تلمذ حاصل تھا اور حضرت مفتی محمد حسنؒ کے خلیفہ مجاز تھے،حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے دست مبارک سے انہیں حدیث کی سند اجازت لکھ کردی تھی ، جو ایجاز کا اعلیٰ نمونہ ہے،تبرکاً اس کا متن درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی نبیہ الکریم وبعد!

فان الصالح السعید المولوی عبد اللہ قد قرأ الامہات الستۃ فی الحدیث،

فأنا اجیزہ باذن اللہ واوصیہ بالبر والتقویٰ واللہ الموفق والمعین.

العبد

محمود عفی عنہ

یکم ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

مرحوم نے زندگی کا طویل سفر اپنے اسلاف واکابر کے نقش قدم پر طے کیا، مدۃ العمر تعلیم وتدریس اور ارشاد وتلقین کے پاکیزہ مشاغل میں منہمک رہے، تقسیم سے قبل لدھیانہ وغیرہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور تقسیم کے بعد گوجرانوالہ میں آرہے اور وہاں ''دارالعلوم نعمانیہ'' کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا، جس کے آخر دم تک مہتمم رہے۔ قیام پاکستان کے بعد موصوف عالم اسلام کے اتحاد اور ارباب حکومت کی اصلاح کے لئے متفکر رہا کرتے تھے، ان پر پاکستان کے ارباب حل وعقد، اعلی افسران، فوجی حکام اور عالم اسلام کے سربراہوں اور چیدہ شخصیتوں کو دینی دعوت دینے کا جذبہ غالب آگیا تھا۔ ان کا یہ احساس تھا اگر عالم اسلام کے ذمہ دار افراد کا رخ اسلام کی طرف پھر جائے اور وہ اسلام کو ایک ضابطہ حیات اور ایک لائحہ عمل یقین کر کے صدق دل سے اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو مسلمان آج بھی اقوام عالم سے آگے نکل سکتے ہیں، اس پیغام کو متعلقہ حضرات تک پہنچانے کے لئے موصوف نے ایک ادارہ تصنیف وتالیف قائم کیا تھا، جس کے زیر اہتمام متعدد کتابیں خود مرتب کر کے ہزاروں کی تعداد میں شائع کیں اور اعلیٰ حکام اور سربراہان عالم اسلام کے نام ارسال کیں۔ حق تعالیٰ شانہ مرحوم کو اپنی رحمت ورضوان سے نوازے اور ان کے گرامی قدر صاحبزادگان مولانا عبدالواسع، مولانا محمد اسماعیل، مولانا حافظ محمد طاہر اور مولانا محمد احمد کو ان کا صحیح جانشین بنائے، آمین۔

[شعبان المعظم ۱۳۹۵ھ۔ ستمبر ۱۹۷۵ء]

مولانا فاروق احمد بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت مولانا فاروق احمد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے بہاول پور کے ان جلیل القدر علماء کرام کی یاد تازہ ہوگئی جن میں شیخ الجامعۃ العباسیہ مولانا غلام محمد گھوٹوی، مولانا احمد علی، مولانا محمد صادق، مولانا عبید اللہ، مولانا محمد علی رحمہم اللہ تعالیٰ کی جیسی نادر روزگار شخصیتیں شامل ہیں۔ مولانا سہارنپور کے علمی خاندان کی یادگار تھے اور برِ اعظم کے مشہور عالم دین مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ بہاول پور میں نصف صدی سے ادھر کا عرصہ قال اللہ وقال الرسول اور درس وتدریس میں گذارا، باوجود پیرانہ سالی اور کمزوری کے ابھی تک مرحوم کے فیوض کا سلسلہ جاری تھا جس سے اہلیان بہاول پور محروم ہو گئے۔ مرحوم کی قیام گاہ مرجع خاص وعام ہوتی تھی۔ صبح اور شام کے اوقات میں بے شمار مخلوق آپ کی فیوض وبرکات سے فی سبیل اللہ مستفیض ہوتی تھی۔ اس قحط الرجال کے دور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وجود کسی نعمت عظمیٰ سے کم نہ تھا جس سے اہلیانِ بہاولپور محروم ہو گئے۔ مولانا نے ۲۷ر رمضان المبارک کو داعی اجل کو لبیک کہا اور ۲۷، ۲۸ر رمضان المبارک کی درمیانی بابرکت شب کو علماء، صلحاء، حفاظ اور عوام وخواص کے اجتماع عظیم نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی، جس کے بعد ایک اشک بار جم غفیر کی موجودگی میں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں جگہ دیں۔ آمین۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

[ذوالقعدہ ۱۳۹۵ھ۔ دسمبر ۱۹۷۵ء]

مولانا گل محمد سکھروی رحمۃ اللہ علیہ

یوم الجمعہ ۲۱/ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ، دسمبر ۷۵ء کو میری دوسری اہلیہ کے والد ماجد مولانا گل محمد صاحب سکھر میں واصل بحق ہوئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مرحوم کے اخلاص، کرم نفس، جودوسخا، ہمت ومردانگی، جفاکشی، غیرت دینی، مکارم اخلاق کا مجھے پہلے سے علم ہو چکا تھا، دوسالہ تعلق کے عرصہ میں ان کے اوصاف حمیدہ کا مشاہدہ بھی ہوتا رہا، طویل ترین علالت کے دوران ان کی استقامت وصبر کو دیکھ کر حیرت ہوئی، آخر میں دق وسل جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے لیکن کیا مجال کہ ان کی خوش خلقی اور صبر وتحمل میں ذرا بھی فرق آیا ہو، کبھی اپنی تکلیف کی کسی سے شکایت نہیں کی، حکایت حال کے طور کچھ زبان پر کبھی آیا تو آیا، خواص میں اس قسم کے کمالات ہوں تو زیادہ تعجب نہیں ہوتا لیکن عوام امت میں ایسے قابل رشک صفات یقیناً باعث تعجب ہیں۔ حق تعالیٰ کی اس مخلوق کے گمناموں میں نامعلوم کتنے اولیاء اللہ ہیں جن کا کسی کو علم نہیں، اگر مشاہیر میں یہ کمالات ومحاسن موجود ہوں جب بھی قابل قدر ہیں لیکن غیر مشہور گمنام شخصیتوں میں اس قسم کے محاسن حیرت افزا ہیں، خدا کا شکر ہے کہ مرحوم کا تمام خاندان صالحین واہل علم کا ہے، ان کے والد ماجد حضرت مولانا شیر محمد صاحب مستند عالم اور باخدا شخصیت تھی، صرف ونحو کے تو امام تھے، حضرت عارف سندھی مولانا حماداللہ ہالیجوی سے بیعت واصلاح کا تعلق تھا، بارہا ملاقات ہوئی، ان کی بزرگانہ شفقت واخلاص کا ممنون ومعترف ہوں، مرحوم انوار العلوم سکھر کے روح رواں تھے، اس کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے، ان کی اہلیہ

محترمہ طلبہ کے لئے سکھر کی گرمی میں سالن اور روٹی اپنے ہاتھ سے تیار کیا کرتی تھیں اور صبح وشام گھنٹوں یہ صبر آزما خدمت انجام دیا کرتی تھیں اور اب بھی کرتی ہیں، بیماری وعلالت میں کبھی کوئی نماز فوت نہیں ہوئی، جس رات صبح کو وفات مقدر تھی اشارے سے تہجد پڑھی اور سورۂ رحمن وسورۂ یس کی تلاوت کی اور تبسم کیا، تیمارداروں کو الوداع کہا، سب کو صبر کی تلقین کی، جزع وفزع اور آہ وبکاء روکنے کی وصیت کی، جمعہ کی صبح اذان کے بعد بھائیوں اور بیٹوں کو نماز کے لئے جانے کا حکم دیا اور اس دوران ان کی روح ملا اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالیٰ جنت الفردوس میں درجات عالیہ نصیب فرمائے اور رحمت ورضوان ومغفرت کے مقامات عالیہ سے سرفراز فرمائیں، آمین۔ میری اہلیہ کو اسی جمعہ کی رات یعنی وصال سے چند لمحے قبل خواب میں زیارت ہوئی صبر واستقاست کی تلقین کی، دنیا سے رخصتی کا حال سنایا اور اپنا حسین وخوبصورت اور دلاویز گھر جنت میں دکھلایا، والہانہ انداز سے اہلیہ نے اس مکان میں رہنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو فرمایا کہ تمہیں بھی یہاں آنا ہے لیکن ابھی وقت نہیں آیا، فرمایا محنت کرو تمہارا گھر بھی تیار ہوگا، میرا گھر تیار ہوگیا، حسب عادت راقم الحروف کی خدمت ورضا جوئی کی وصیت فرمائی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

افسوس کہ باوجود کوشش جنازے پر نہ پہنچ سکا، تدفین کے بعد مزار پر فاتحہ خوانی نصیب ہوئی۔

ان للہ ما أخذ ولہ ماأعطی وکل شیء عندہ باجل مسمّٰی فالحمد للہ رب العالمین حمد الصابرین الیٰ یوم الدین.

[محرم الحرام ۱۳۹۶ھ۔فروری ۱۹۷۶ء]

مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

جمعہ کے مبارک دن ۲۸ رمحرم ۱۳۹۶ھ - ۳۰ رجنوری ۱۹۷۶ء دور حاضر کے اسلامی مفکر، عصر حاضر کے متکلم وفیلسوف حضرت مولانا عبدالباری انصاری لکھنوی ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہوگئے اوران کی روح پاک عالم غیب کی طرف پرواز کرکے واصل بحق ہوگئی۔

إنا لله وإنا إليه راجعون

وہ عالم تھے، وہ عارف تھے، وہ صوفی باصفا تھے، سراپا اخلاص تھے، ورع وتقوی کے پیکر تھے، عصر حاضر کے علماء ربانیین کے ایک ممتاز فرد تھے، حیدرآباد دکن کی سرزمین میں دنیا سے الگ ہوکر اپنی دنیا بسانے والے ایک ہی شخص نظر آئے، مرحوم کا ابتدائی تعارف حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی سیرۃ النبی کے جزءسوم سے ہوا، جس میں معجزات پران کا فاضلانہ مضمون ہے، پھر غالباً ۱۳۵۹ھ میں حیدرآباد دکن میں پہلی ملاقات کا شرف بمعیت حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم حاصل ہوا، دوسری ملاقات کا شرف اس وقت نصیب ہوا جب میں دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں ۱۳۷۰ھ میں اقامت پذید تھا اور مہمانی کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور دو ایک علمی مجالس بھی رہیں جن میں ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب ہوئے اور ''صدق جدید'' میں مرحوم نے اپنے سفرنامے میں اس کا ذکر بھی فرمایا، پھر تیسری ملاقات کی سعادت کراچی میں حاصل ہوئی جبکہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی کی بنیاد پڑچکی تھی اس مرتبہ الحمدللہ قریب

سے قریب تر دیکھنے کا موقع ملا اور مجالس میں ان کو اچھی طرح پالیا اور عقیدت ان سے بڑھ گئی، فکر کی گہرائی میں قرآنی حقائق کے ذوق میں بے مثل تھے، نئی نسل کی تربیت واصلاح پر غور کرنے میں بے نظیر تھے۔

جدید فلسفے اور جدید الٰہیات پر ان کی نظر اور ہمہ گیری حیرت انگیز تھی، ان جدید فلاسفہ کے نظریات پر اتنی وسیع نظر تھی کہ حیرت ہوتی تھی گویا ان کے سر پر جوتے مارے ہیں، ان کی نظیر نہیں ملتی، ان کے افکار کو جس جستجو اور عرق ریزی سے یکجا کر کے ان سے استنباط کرتے تھے انہی کا حصہ تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کے دامن سے وابستگی سے تو ان کی دنیا ہی بدل گئی، اپنی جائیداد اور وسائل معاش کو خدمت دین کے لئے وقف کر کے حضرت تھانوی قدس سرہ کے علوم اور حقائق ومعارف کو جدید نسل کی رہنمائی کے لئے مفید سے مفید و مؤثر بنانے کے لئے تمام قلمی وفکری صلاحیتیں ختم کر دیں اور یہ ان کی زندگی کا اہم ترین کارنامہ ہے، حضرت تھانوی قدس سرہ کی تمام مختلف الانواع تصانیف سے، متفرق موضوعات سے، منتشر ملفوظات سے، مواعظ حکیمہ سے ایک ایک چیز موضوع کے تحت یکجا کر کے روح نکال دی، اس کی مؤثر تمہیدات اور منقح تشریحات سے چار چاند لگا دیئے، درحقیقت تمام امت پر اور خصوصاً تھانوی بارگاہ کے خوشہ چینوں پر ناقابل فراموش احسان کیا ہے۔

''اصلاح علم وعمل'' کے نام سے سورۃ العصر کی تفسیر لکھ کر تمام علماء اور خادمانِ دین کو عبرت آموز سبق دیا۔ ''سائنس اور مذہب'' جیسی نافع وعظیم تصنیف سے تمام فلاسفہ اور ملاحدہ کے سر پر جوتے لگائے اور اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کر دی، زہد وقناعت کی قابل رشک زندگی بسر کی، تمام مرغوبات ولذائذ کو یک قلم ترک کر کے زاہدین کے لئے نظیر قائم کر گئے، بلاشبہ دورحاضر

کی مخلص ترین باخدا شخصیت تھی ،افسوس کہ ان کے کمالات وخصائص ان کے ساتھ دفن ہو گئے، علماء اورارباب قلم میں اس ذوق اور ان خصوصیات کی کوئی ہستی نظر نہیں آتی،إنا لله وإنا إليه راجعون۔

خدارحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس مشتِ استخوان پراور ہزاروں ہزار رحمتیں ہوں ان کی روح پرفتوح پر، جنت الفردوس میں اپنے حضرت شیخ تھانوی کے جوارقدس میں مقام اعلیٰ نصیب ہواوران کی روح ان مخلصانہ ومحققانہ تصانیف کے ثمرات سے اورفقیرانہ زندگی کی برکات سے مالا مال ہو۔

آمین یارب العالمین وصلی الله علی صفوة البرایا خاتم النبیین سیدنا محمد وآله وصحبه أجمعین.

مولانا سید مہدی حسن شاہ جہان پوری رحمۃ اللہ علیہ

جس طرح بارانِ رحمت سے خشک صحرا، وادیاں، جھلسے ہوئے کھیت اور خشک باغات سرسبز وشاداب ہوکر لہلہاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح علماء ربانیین کا وجود' قلوب عباد کے لئے باران رحمت ہے، بلکہ علماء حقانی کا وجود تمام کائنات کے لئے رحمت ونعمت ہے، ان کے وجود سے دلوں کو حیات، روحوں کو غذا اور دماغوں کو تازگی ملتی ہے، فضاء عالم منور ہوتی ہے، ظلمات کفر وضلال کافور ہوجاتی ہیں، بلکہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ اس عالم کی بقاء کا راز علماء ربانیین کے وجود میں مضمر ہے اور یہی وجہ ہے کہ سمندروں کی مچھلیاں، صحراؤں کے کیڑے مکوڑے اور جنگلات کے حشرات وحیوانات تک ان کے لئے دعا کرتے ہیں، آسمانوں کے فرشتے دعا کرتے ہیں، زمین کے فرشتے ان کے قدموں کے نیچے پَر بچھاتے ہیں، بلاشبہ جو ہستیاں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وارث، نیابت نبوت کی زینت بخش اور ہدایت مخلوق کا ذریعہ ہوں ان کے یہ فضائل ہونے چاہئیں، چنانچہ زبان خاتم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اور اس قسم کے فضائل ان کے منقول ہیں۔

ان ہی علماء ربانیین میں سے حضرت مولانا سید مہدی حسن شاہجہانپوری کی شخصیت تھی، جن کی زندگی کے ستر سال سے زیادہ قرآن وحدیث وفقہ وعلوم اسلامی کی خدمت میں گزرے، رجب ۱۳۰۰ھ شاہجہانپور محلہ ''ملاخیل'' میں ولادت باسعادت ہوئی اور غالباً ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ کے اواخر میں شاہجہانپور محلہ ''جھنڈا کلاں'' میں واصل بحق ہوئے، إنا اللہ وإنا إلیہ راجعون۔

گیارہ سال راندیر ضلع سورت میں پوری صحاح ستہ پڑھائیں، جامعہ اشرفیہ میں سات سال اور جامعہ محمدیہ میں چار سال۔ نیز متفرق علوم کی کتابیں پڑھاتے رہے اور افتاء کا کام بھی کرتے رہے، پورے تیس سال راندیر سورت میں افتاء کی خدمت انجام دی، ۱۳۶۸ھ سے لیکر ۱۳۹۰ھ تک دارالعلوم دیوبند میں صدارت افتاء کی خدمات انجام دیتے رہے اور شرح معانی الآثار طحاوی بھی پڑھاتے رہے اور سالہا سال کے بقایا استفتاءات ہزاروں کی تعداد میں نمٹائے اور تقریباً اٹھارہ گھنٹے یومیہ مشغول رہتے تھے، آخری عمر میں فالج کا حملہ ہوا کچھ افاقہ ہوا لیکن ہاتھوں پر رعشہ کا اثر باقی رہا، دارالعلوم کا تعلق ختم ہوگیا تھا اور اپنے گاؤں شاہجہان پور میں مرض کے ایام گزارتے رہے، آپ تعجب کریں گے کہ مرتعش ہاتھوں میں قلم لے کر ایک اہم ترین کتاب کی تصنیف شروع کی، یعنی امام ابومحمد ابن حزم کی کتاب ''المحلی'' پر تنقید، جہاں امام موصوف کے قلم نے وہ کام کیا جو حجاج کی تلوار کرتی تھی اور علماء میں عام مثل ہے ''سیف الحجاج وقلم ابن حزم توأمان'' کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کا قلم دونوں جڑواں بہنیں ہیں۔ اور تمام ائمہ دین میں کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ تردید نہ کی ہو اگرچہ زیادہ تر حصہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور ہر دور میں علماء امت نے ابن حزم کے جوابات دیئے اور ''القدح المعلی فی رد المحلی'' کے نام سے بعض اکابر نے مستقل کتاب بھی لکھی۔ بہرحال محدث شاہجہان پوری کے قلم سے اس وقت بھی ایک اہم تصنیف کی جارہی تھی ''السیف المجلی فی الرد علی المحلی'' کے نام سے دو ایک چھوٹے چھوٹے اجزاء طبع بھی ہوگئے تھے اور راقم الحروف کے پاس بھی بھیجے گئے تھے، ایسی علالت کی حالت میں ایسی اہم تالیف میں مشغول ہونا لوگوں کے لیے موجب تعجب ہوگا مگر جس کی زندگی جس کام میں فنا کا مقام حاصل کرلیتی ہے اس کی یہی شان ہوتی ہے۔ افسوس کہ حضرت محدث شاہجہان پوری کی مرثیہ نگاری کے لیے قلم اس وقت ہاتھ میں آرہا ہے جب کہ

ڈاکٹروں اور طبیبوں نے قلبی عارضہ کی وجہ سے دماغی کاموں سے منع کر دیا ہے اور راحت کی تاکید کی ہے، اس لیے بہت افسوس کے ساتھ ''بصائر وعبر'' کا نامہ نگار اپنی معذوری کی وجہ سے مرثیہ نگاری سے قاصر ہے، اس لیے برادر محترم مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی سے خواہش کی کہ عرصہ دس بارہ سال پہلے حضرت مرحوم کی ''کتاب الحجة'' کی تعلیقات کی وجہ سے مرحوم کا جو علمی ترجمہ سپردِ قلم کیا تھا اور حیدر آباد دکن کے دائرۃ المعارف میں طبع ہو گیا تھا اس کا ترجمہ شامل کر دیا جائے، نیز ۱۹۴۷ء میں جب راقم الحروف کراچی آیا تھا اور مرحوم سورت میں تھے اس وقت ایک مکتوب گرامی حسرت ناک آیا تھا جس میں ایک غمگین واقعہ کا ذکر کیا تھا اور چند عربی اشعار مجھے لکھے تھے، اس وقت ارتجالاً چند عربی اشعار بطور تعزیت وتسلی اسی قافیہ وبحر پر فوراً انوک قلم پر آ گئے تھے وہ بھی شامل کر دیے جائیں تاکہ کسی درجہ میں حق ادا ہو سکے اور کسی قدر ان کی قدر ومنزلت کی طرف اشارہ ہو سکے:

فغاں کہ گشت نیو شدہ سخن خاموش
وگر چہ گو نہ تسلی کنم من ایں لب وگوش

اللّٰهم اغفرله مغفرةً لاتغادر ذنبا وارحمه رحمة كاملة تخص بها عبادك المقربين وادخله فى جنات النعيم وارضه وارض عنه ما لايوازيه منزلة ولا نعيم، وصلى الله على صفوة عباده خاتم النبيين سيدنا محمد وآله وصحبه وتبعه وعلماء الدين.

[شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ]

حالاتِ محدث شاہجہانپوری

[جو ۱۳۸۵ھ میں کتاب الحجۃ کے مقدمہ کے لئے لکھے گئے]

کتاب الحجۃ کے شارح اور مصحح شیخ محدث علامہ مفتی مہدی حسن کا سلسلہ نسب یہ ہے:
مہدی حسن بن سید کاظم حسن بن علامہ سید فضل اللہ بن سید محب اللہ شاہ بن شیخ العصر سید قطب الدین المعروف قطبی میاں بن شیخ سید درویش بن شیخ سید شہاب الدین احمد شاہ آبادی بن شیخ کامل سید ابواسحاق ابراہیم بن فاضل سید شہاب الدین احمد شاہ گیلانی۔
جن کے سلسلہ نسب بیس واسطوں سے امام ربانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی سے جاملتا ہے، مفتی صاحب کے جدامجد شیخ ابواسحاق ابراہیم شاہجہاں کے عہد سلطنت میں بغداد سے دہلی تشریف لائے اور نوسال بعد بغداد کی طرف مراجعت فرما ہوئے، دوبارہ پھر ہندوستان آئے، اوراورنگ آباد دکن میں وفات پائی۔ پھر ان کے صاحبزادہ سید احمد ۱۰۹۰ھ میں بعہد سلطان عالمگیر بغداد سے دہلی آئے، شاہ آباد میں سکونت اختیار کی وہیں انتقال ہوا اور محلہ کڑہ میں دفن ہوئے، وہاں ان کی قبر زیارت گاہ خاص وعام ہے، مفتی صاحب ۱۳۰۰ھ میں شاہجہان پور کے محلہ ملاخیل میں پیدا ہوئے پہلا نام خواجہ حسن تھا بعدازاں ایک عارف کے اشارہ سے نام بدل کر مہدی حسن کردیا گیا، یہ اس بزرگ کی فراست تھی کہ مہدی حسن کے نام میں ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی نیک فال تھی۔

قرآن کریم والد ماجد سے پڑھا، انہی سے کچھ حصہ حفظ بھی کیا، بقیہ حفظ بارہ سال کی عمر میں دیگر اساتذہ سے پورا کیا، اسی طرح فارسی کی ابتدائی کتابیں والد ماجد اور بڑے بھائی سے پڑھیں، پندرہ سال کی عمر ہوئی تو محلہ کی مسجد میں پہلی مرتبہ تراویح میں مصلی سنایا، پھر اپنے شہر کے مدرسہ عین العلم میں داخل ہوئے، اور صرف ونحو کی کتابیں مدرسہ کے اساتذہ سے پڑھیں، جن میں سب سے مشہور بانی مدرسہ مولانا شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ نیز نحو اور فقہ کی کچھ کتابیں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اور جب مفتی کفایت اللہ صاحب مدرسہ امینیہ دہلی میں منتقل ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے آپ کو بھی وہیں بھیج دیا، چنانچہ ادب فارسی، ادب عربی، علوم عقلیہ منطق وفلسفہ، اصول فقہ اور علم حدیث وغیرہ تمام علوم وفنون کی کتابیں حضرت مفتی کفایت اللہؒ اور دیگر اساتذۂ مدرسہ سے پڑھیں، ۱۳۲۶ھ میں سند فراغ حاصل کی اور مدرسہ امینیہ میں ہی مدرس بن گئے، صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے اطراف سنا کر شیخ العصر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ سے حدیث کی اجازت حاصل کی اور ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضلیت حاصل کی، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر مکی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

پھر مدرسہ اشرفیہ راندیر ضلع سورت صوبہ بمبئی میں صدر مدرس ہوئے اور سات سال تک صحاح ستہ کے علاوہ منطق وفلسفہ اور بلاغت کی کتابیں پڑھائیں، پھر چار سال تک مدرسہ محمدیہ راندیر میں صدر مدرس کی حیثیت سے صحاح ستہ کی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔

۱۳۳۸ھ سے ۱۳۶۸ھ تک مسلسل تیس سال صوبہ بمبئی میں افتاء میں مشغول رہے تا آنکہ ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم یوبند میں صدر مفتی کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا اور تادم تحریر

(۱۳۸۵ھ) وہاں افتاء اور دین وعلم کی خدمت میں مشغول ہیں۔ دارالعلوم دیو بند میں دو مرتبہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح معانی الآ ثار کا بحث وتحقیق کے ساتھ درس دیا، پہلا حج ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) میں کیا، اس کے بعد اب تک چار حج کر چکے ہیں، ان اسفار میں حرمین کے علماء و مشائخ سے ملاقاتیں ہوئیں، مختلف مسائل میں بطور افادہ و استفادہ ان سے علمی مذاکرے رہے اور وہاں کے اکابر مشائخ نے اجازتوں سے مشرف فرمایا، مکہ مکرمہ میں جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

شیخ احمد بن علی نجار الطائفی المکی الشافعی مدرس حرم۔ شیخ عمر بن ابی بکر جنید الشافعی وکیل حنابلہ۔ شیخ سید حسین بن علی الملک۔ ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ شیخ محمد مرزوقی۔ شیخ سید محمد بن ہاشم الحنفی۔ شیخ حبیب اللہ بن ما یابی المالکی الشنقیطی۔ شیخ محمد حسن پشاوری مہاجر مکی مؤلف غنیۃ الناسک۔ عمر بن حمدان المحرسی المالکی۔ مولانا شیخ شفیع الدین الہندی مہاجر مکی وغیرہ۔

اور مدینہ منورہ میں جن مشائخ سے اجازت حاصل ہوئی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

شیخ احمد شمس المالکی المغربی۔ شیخ محمد زکی بن شیخ علامہ سید احمد برزنجی الشافعی۔ قاضی القضاۃ شیخ ابراہیم بن عبد القادر البری المدنی مدرس حرم مدنی۔ شیخ محمد عائش بن محمود الشافعی المصری المدنی۔ شیخ عبدالقادر الطرابلسی الحنفی۔ شیخ محمد طیب المغربی المالکی۔ محدثہ امۃ اللہ بنت شیخ محدث شاہ عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی۔ شیخ عبداللہ بن حسین بن محسن الانصاری الیمنی۔ مولانا شیخ خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی صاحب بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد۔

مفتی صاحب کو شیخ محقق علامہ محمد زاہد الکوثری نزیل قاہرہ سے بھی بذریعہ خط اجازت حاصل ہوئی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات کتاب الحجۃ علیٰ اھل المدینۃ اور کتاب الآثار کی اجازت امام العصر مولانا الشیخ محمد انور شاہ الکشمیریؒ سے حاصل کی، موصوف نے عربی

اورار دو میں متعدد کتابیں لکھیں، عربی میں ان کی چند تالیفات کے نام حسب ذیل ہیں:

اللآلی المصنوعة فی الروایات المرجوعة، شرح کتاب الآثار تین جلدوں میں، شرح کتاب الحجة، الدرالثمین، رجال کتاب الآثار، شرح بلاغات محمد فی کتاب الآثار، الاھتداء فی رد البدعة.

اورار دو میں مختلف موضوعات پران کی بہت سی کتابیں ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں:

القاء اللمعة علے حدیث لا جمعة، إقامة البرهان، التحقیق المتین، قطع الوتین، بئس القرین، الاختلاف المبین، مفید القاری والسامع، التوضیحات، کشف الغمة عن سراج الأئمة، فراسة العریف، التحقیق التام فی حدیث اذا خرج الامام فلا صلاة ولا کلام، رفع الارتیاب، شمیم حیدری، ضربة الصمصام، اظهار دجل المرید، اظهار الصواب، اظهار اسرار المتحدثین، الاسعاف، التنویر فی حکم الجهر بالتکبیر، القول الصواب، طلوع بدر الرشاد، وغیرہ۔

موصوف اردو میں بہت عمدہ ادیبانہ شعر کہتے ہیں اور کچھ اشعاران کے عالمانہ ہیں، وہ اپنی تحریر میں بڑے طویل النفس ہیں، تکان اور اکتاہٹ ان کے قریب بھی نہیں پھٹکتی، ان کا عربی اسلوب تحریر بڑا آسان اور واضح ہے، اس میں کوئی گنجلک نہیں ہوتی، وہ صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث کے علم الرجال کے متخصص اور ممتاز عالم ہیں، انہیں علمائے حنیفہ سے خصوصی شغف اور کتب رجال اور طبقات وتراجم کے اوراق میں سے علمائے احناف کے التقاط کا خصوصی اہتمام ہے۔

کثیر المطالعہ، شب بیدار، انتہائی مہمان نواز، کریم النفس، فراخ دست، کشادہ رو، اللہ کے دین کے معاملہ میں حمیت وغیرت ان پر غالب آجاتی ہے تو پھر کسی لومة لائم کی پروانہیں

کرتے۔آج وہ کتب فتاویٰ کی وسعت معلومات میں اپنی نظیر نہیں رکھتے، چالیس برس سے زیادہ کا عرصہ گزرتا ہے کہ وہ کتب فتاوی کے مطالعہ کے لئے وقف ہیں، رمضان مبارک میں بکثرت عبادت کرتے ہیں، ہر رمضان میں اعتکاف کرتے ہیں اور قرآن کریم کے کئی کئی دور ختم کرتے ہیں، نرم خو، خاموش طبع، صلح جو، فقراء سے محبت اور علماء کا عزت واحترام کرتے ہیں، شکل وشمائل اور رہن سہن میں علماء کی سی زندگی بسر کرتے ہیں، عمر چوراسی ۸۴رکو پہنچ چکی ہے مگر فتوی نویسی اور خدمت علم میں جوانوں کی سی ہمت ونشاط کے ساتھ منہمک ہیں۔حق تعالیٰ ان کی عمر مبارک میں برکت فرمائے اور اس دور میں ان کے سے رجال بکثرت پیدا کرے۔

مکتوب منظوم

(جو مفتی مہدی حسنؒ کو ۱۹۴۷ء میں ان کے خط کے جواب میں ارتجالاً لکھا گیا)

سلام علی شیخ جلیل المناقب ومن علمه كالنور وسط الغياهب
سلام علی حبر العلوم وبحرها ومن فيضه فی الدهر مزن الاطايب
سلام علی مفتی الانام ومن يحل الفتاوىٰ فی جميع المآرب
سلام علی هادی الانام بوعظه يرق له قلب العدو المغاضب
سلام خلوص فی دعاء تحية هدية داع ثم دعوة غائب
اتانی كتاب بالحوادث ناطقاً افاض دموعاً من عيون السحائب
اولئك حساد واعداء نعمة يقولون زوراً باختلاق الأكاذب
لقد علموا علم اليقين بانهم يقولون كذبا بافتراء المثالب
واعداء علم يمكرون مكائدا وياتون بالكيد العظيم المآرب
يا شيخ صبرا فی رزايا ملمة عواقبه تحلو عقيب المصائب
لحی الله ذی الدنيا مناخاً لراكب فكل عظيم فی العنا والمتاعب
اشد بلاءً فی الورىٰ خير أمة لنا قدوة فيهم و أسوة راغب
وقاك له من طروق حوادث واولاك مجداً من رفيع المراتب
نرجوا رحيما ان يسد حالنا ويحفظنا كيدا لعدو المشاغب
فنحمد ربا للورىٰ وهو عالم ونرجوه فضلاً فی صلاح العواقب
كريم ودود ذوالعطايا مهيمن رؤوف رحيم عالم بالمغائب

مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

۱۱رشوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۶راکتوبر ۱۹۷۶ء چہارشنبہ کو ایک بجے رات سرزمین پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کی آخری یادگار حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دنیائے فانی سے رخصت ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم مختلف عوارض خصوصاً عارضہ قلب میں کچھ عرصہ سے مبتلا ہوگئے تھے اور عوارض اور امراض وتکالیف کو قابل رشک صبر وتحمل سے برداشت کرتے رہے اور رضا بالقضاء کے اعلیٰ ترین مقام کے حصول اور ترقی درجات سے مالا مال ہوتے گئے اور کمال یہ ہے کہ بزرگوں کی صحبت وتوجہات کی برکت سے طبیعت ایسی بن گئی تھی کہ آخر وقت تک علم ودین کے مشاغل سے وابستہ رہے، افتاء کی مجلسیں بھی ہوتی رہیں، تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی صورت میں قائم رہا، علمی مشاورت اور دینی مسائل میں غور وخوض کا سلسلہ بدستور قائم رہا۔

امام العصر حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ سے تلمذ واستفادے کے بعد حضرت مفتی صاحب کا ہمیشہ ظاہری وباطنی تعلق شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قائم رہا، انقلاب کے زمانے میں جب کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم سے جدا ہوگئے تھے اس وقت بھی آپ کا تعلق ایک لمحے کے لیے منقطع نہیں ہوا تھا، برابر حاضری ہوتی رہی، کیا مجال ہے کہ تعلق وعقیدت وارادت میں ذرا بھی فرق آئے، انہی دنوں میں جب کہ اختلاف وافتراق شباب پر تھا

حضرت مفتی صاحب، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں زیارت وعیادت کے لیے حاضر ہوئے اور دو روپے ہدیۂ عقیدت پیش کیا، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے نہایت محبت وشفقت سے قبول فرمایا۔

حضرت مفتی صاحب کی علمی زندگی میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجہات کا بہت بڑا دخل رہا، بالکل ابتدائی دور میں جب ''معارف'' اعظم گڑھ میں فوٹو کے جواز پر ایک مبسوط مقالہ آیا جو درحقیقت شیخ محمد بخیت مطیعی شیخ الازہر کے رسالہ ''إباحة الصور الفوتوغرافية'' کا چربہ تھا اور اچھا خاصا محققانہ علمی انداز تھا کیونکہ شیخ محمد بخیت اپنے دور میں مصر کے سب سے بڑے عالم ومحقق سمجھے جاتے تھے اور مذاہب امت کے ادلہ وتفصیلات میں بقول حضرت شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ آیۃ من آیات اللہ تھے،(۱)

جب یہ مقالہ شائع ہوا تو حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اس کی فکر ہوئی اور اپنے حلقہ تلامذہ میں سے حضرت مفتی صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ اس کا جواب لکھیں، چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے ان کی علمی راہنمائی میں القاسم (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند) میں اس پر ایک مفصل علمی وتحقیقی مضمون لکھا، جو بعد میں ''التصوير لأحكام التصوير'' کے نام سے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع ہوا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کی راہنمائی میں آیت خاتم النبیین کی شرح تفسیر عمدہ ادیبانہ انداز سے عربی میں تالیف فرمائی جو ''هدية المهديين'' کے نام سے شائع ہوئی، اس پر حضرت امام العصر رحمہ اللہ کی قابل رشک تقریظ ہے، اس کے چند جملے ملاحظہ ہوں:

---

(۱) قاہرہ میں ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء کی ایک مجلس میں راقم الحروف نے حضرت شیخ محمد زاہد الکوثری سے عرض کیا کہ آپ ان کے کمالات کے بیان میں اتنا غلو فرماتے ہیں کہ استحضار مذاہب ائمہ میں ان کو آية من آيات الله فرماتے ہیں، حالانکہ فلاں فلاں مسائل وحوادث میں ان کی فقہی رائے بہت کمزور ہے، اس پر شیخ کوثری نے فرمایا ''نعم كان غير موفق في النوازل''، یعنی جی ہاں! جدید مسائل وحوادث میں صائب الرائے نہیں تھے۔)

اما بعد: فان صاحبنا الاحوذی المولوی محمد شفیع الدیوبندی وفقه الله لما یحب ویرضاه، جمع باستدعائي رسالته'' هدیة المهدیین فی آیة خاتم النبیین'' جزاه الله عنی وعن سائر المسلمین خیرالجزاء وقد سرد فیه نحو مائة وخمسة وستین حدیثاً فی انقطاع النبوة بعد ما بعث الله نبیه محمدًا مصطفاه..... الی قوله.. وهاك رسالة تفسیریة حدیثیة کلامیة فقهیة وبعد ذلك کله ادبیة یسری الفا ظها کسرایة الروح في البدن ویقع فی قلب المؤمن کحلاو الایمان ویجری في العروق کمحض اللبن.

هلم یا صاح الی روضة   یجلو بها العاني صداهمه

نسیمها یعثر في ذیله   وزهرها یضحك في کمه

ترجمہ: ہمارے رفیق دانشمند مولوی محمد شفیع دیوبندی نے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔ میری فرمائش پر رسالہ'' ھدیة المھدیین فی آیة خاتم النبیین'' جمع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں میری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائیں، اس میں اس مضمون کی قریباً ۱۶۵/ حدیثیں ذکر کی ہیں کہ بعثت محمدیہ کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے...... یہ رسالہ تفسیری بھی ہے اور حدیثی بھی، کلامی بھی اور فقہی بھی اور ان تمام امور کے ساتھ ساتھ ادبی بھی۔ جس کے الفاظ روح کی طرح بدن میں سرایت کرتے ہیں، حلاوت ایمان کی طرح قلب مومن میں جاگزیں ہوتے ہیں اور خالص دودھ کی طرح رگ وپے میں گردش کرتے ہیں۔ اے رفیق! اس گلشن کی سیر کرو جس سے ایک غم زدہ شخص اپنے ہموم وافکار کا زنگ دور کرتا ہے، اس کی بادصبا اس کے دامن سے اٹھکیلیاں کرتی ہے اور اس کی کلیاں اس کے دامن میں مسکراتی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے رسالہ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' کو حضرت مفتی صاحب نے مرتب فرمایا اور اس پر ایک بہترین ادیبانہ اور فاضلانہ مقدمہ لکھا، جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے۔(۱)

اس طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی توجہات سے ان کی علمی قابلیت اور ردقادیانیت کے سلسلہ میں ان کی خدمات میں روز افزوں ترقی ہوتی گئی اور حضرت شیخ رحمہ اللہ سے نسبت میں قوت پیدا ہوتی چلی گئی۔

جس وقت میں نے اپنا رسالہ ''بغیة الأریب فی أحکام القبلة و المحاریب'' مرتب کیا اور بعض ماخذ ومراجع دیکھنے کے لیے پشاور سے سفر کرکے دیوبند حاضر ہوا تھا اور پھر خیال ہوا کہ اکابر واساتذہ کی کچھ تقریظیں بھی تبرک کے لیے لکھواؤں، اس وقت حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دارالعلوم دیوبند کے منصب افتاء پر فائز تھے، جب رسالہ دیکھا بہت ہی خوش ہوئے اور بے حد متاثر ہوئے اور فرمایا کہ اس پر ایسی تقریظ لکھنے کو جی چاہتا ہے جس طرح حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے رسالہ ''ھدیة المھدیین فی آیة خاتم النبیین'' پر تقریظ لکھی ہے، اسی رسالہ ھدیة المھد یین کے متن سے آئندہ ''ختم النبوة فی القرآن''، ''ختم النبوة فی الاحادیث'' اور ''ختم النبوة فی الآثار'' تینوں رسالے بطور شرح مرتب ہوئے۔

مقدمہ بہاول پور میں حضرت امام العصر شاہ صاحب رحمة اللہ علیہ کے دست راست

---

(۱) رسالہ ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' کی روشنی میں حضرت مفتی صاحب نے ''مسیح موعود کی پہچان'' کے نام سے ایک اور رسالہ لکھا، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ان تمام علامات کو جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں مرتب کرکے ثابت کیا کہ قادیان کے نام نہاد مسیح مرزا غلام احمد قادیانی میں ان میں سے ایک علامت بھی نہیں پائی جاتی، جس سے ہرادنیٰ عقل وفہم کا آدمی یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ مرزائے قدیان کا دعویٰ مسیحیت ومہدویت محض کذب وافتراء ہے، یہ نفیس رسالہ بارہا چھپ چکا ہے۔

رہے اور آپ ہی کے قلم سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی دقیق وعمیق تعبیرات سہل اردو میں مرتب ہوئیں، جو ''مقدمہ بہاول پور'' کے نام سے معروف ہے اور فرمایا کہ ایک رات اسی کام میں ایسی گذری کہ عشاء کے بعد صبح تک اس کی تکمیل میں مشغول رہا اس طرح حضرت شیخ کی دعاؤں وتوجہات کے مرکز بنے رہے۔

۱۹۷۲ء میں قادیانی مسئلہ کے سلسلہ میں جو محاذ قائم ہوا تھا اور حضرت شیخ کے جوتوں کے صدقے میں حق تعالیٰ نے راقم الحروف سے کام لیا، اس کے لیے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے صاجزادے عزیز گرامی برادرم مولانا تقی صاحب کو میں نے راولپنڈی میں بلایا تھا، مسئلہ قادیانیت میں امت اسلامیہ کے موقف کی ترتیب وتالیف میں برادر موصوف نے ایک دفعہ پوری رات گذاردی، ایک لمحہ کے لیے بھی آرام نہ کرسکے، میں نے حضرت مفتی صاحب سے فون پر اور بعد میں زبانی یہ عرض کیا تھا کہ آپ کے مقدمہ بہاول پور اور حضرت شیخ کی خدمت و مساعدت سے پوری مشابہت اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمادی، جس سے حضرت مفتی صاحب بہت خوش ہوگئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے برادر موصوف کو اپنے والد محترم کا صحیح خلف الرشید بنایا، فطوبی له هذه السعادة وهنيئًا له بهذه الخلافة۔

الغرض! حضرت مفتی صاحب کی علمی طبیعت ومزاج میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی توجہات کو بڑا دخل ہے، جس طرح حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی توجہات سے یہ مزاج بن گیا کہ وقت کی قدر ہو اور ضیاع وقت سے احتراز کیا جائے اور مفیدِ عوام تالیفات سے دین کی خدمت کی جائے۔

حضرت مرحوم کی خصوصیات وتالیفات اور دارالعلوم کراچی کی تاسیس پر اور ''ادارۃ المعارف'' قائم کرنے پر لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے اور لکھتے رہیں گے مجھے تو صرف یہ لکھنا ہے

کہ بیک وقت وہ دارالعلوم دیو بند اور تھانہ بھون دونوں کی جامع شخصیت تھی اور دونوں کے صحیح نمائندے تھے اور علم وفضل کے ساتھ مزاج میں بے حد سادگی تھی، نہایت متواضع تھے، اہل علم وفضل کے بڑے قدردان تھے، باوقار بردبار تھے، ۱۳۴۴ھ سے لے کر آج ۱۳۹۶ھ تک میرا ان کا تعلق رہا، ابتداء سے انتہاء تک جو چیز نظر آئی وہ یہ ہے کہ علمی شغف، علمی قدردانی، دیو بند اور تھانہ بھون کے صحیح مسلک ومشرب کی نمائندگی کا صحیح حق ادا کیا، حضرت مفتی صاحب کو حق تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں سے نوازا اور اولادِ صالح کی نعمت سے مرحوم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور اپنی عمر کے آخری مراحل میں ''معارف القران'' جیسی تفسیر کے ذریعہ سے علمی دینی خدمت انجام دے کر آخرت کے لیے بہت کچھ ذخیرہ جمع فرمایا۔

مجھے اس کا صدمہ ہے کہ جنازے کی شرکت سے محروم رہا، حضرت کے وصال سے ۱۲ رگھنٹہ قبل میں ایک ضروری کام سے سکھر پہنچ گیا تھا، وصال کی صبح کو اطلاع ملی بہت کوشش کی کہ کسی طرح جنازے میں شامل ہوسکوں، موئن جوداڑو کے ایئرپورٹ تک ۹۰ رمیل بذریعہ ٹیکسی سفر کیا کہ شاید ہوائی جہاز میں کوئی سیٹ مل جائے اور اس طرح یہ آرزو پوری ہوجائے لیکن افسوس کہ بے نیل مرام واپس آیا، ۵ رگھنٹہ کی تگ ودو سے ایک طرف شکستہ بدن اور مقصد میں ناکامی سے شکستہ خاطر واپس آیا اور حسرتوں کو دل میں لے کر آیا۔

حق تعالیٰ اس نحیف البدن، خفیف الروح عالم باعمل کے درجات بلند فرمائے اور تمام زلات وسیئات معاف فرما کر رضوان ورحمت کے عالی مقامات پر پہنچائے، جنت الفردوس میں مقام نصیب فرمائے، آمین۔ اور ان کی صالح ذریت کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔ مولانا محمد احمد تھانوی صاحب نے تاریخ وفات میں متعدد مواد نکالے ہیں ایک ان میں سے ''موت العالِم الصالح موت العالَم'' ہے۔

مولانا اطہر علی بنگالی رحمۃ اللہ علیہ

یہ معلوم ہوکر مزید صدمہ ہوا کہ اسی رات اسی تاریخ کو حضرت مولانا اطہر علی صاحب خلیفہ مجاز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ڈھاکہ میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم بنگلہ دیش کے ممتاز ترین عالم تھے۔ علمی وسیاسی خدمات میں مشہور بزرگ تھے، جس وقت بنگلہ دیش مشرقی پاکستان تھا اس وقت مرکزی قومی اسمبلی کے ممبر بھی رہ چکے تھے، کچھ عرصہ نظام اسلامی پارٹی کے صدر بھی رہے، اسی دوران ایک دفعہ سالانہ عظیم اجتماع میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور راقم الحروف کو بھی دعوت تھی، ایک جلسہ کی صدارت راقم الحروف کے ذمہ تھی، خطبہ صدارت اردو بنگلہ میں شائع کیا گیا تھا اور ایک جلسہ کے صدر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تھے، ''جامعہ امدادیہ'' کے نام سے کشور گنج میں ایک عظیم درس گاہ کے بانی تھے، یہ مدرسہ جو اپنی تعمیری خصوصیات میں سب سے ممتاز تھا، کچھ عرصہ راقم الحروف اس کی مجلس شوریٰ کا رکن بھی رہا، بلکہ علمی مشیر بھی، مرحوم بنگلہ دیش (سابق مشرقی پاکستان) کے علماء وفضلاء میں جامع شخصیت تھے، وہ عالم بھی تھے، صوفی بھی، دیوبند کے فاضل تھے، تھانہ بھون کے بھی فیض یافتہ تھے، حضرت حکیم الامت کے خلیفہ تھے، سیاسی خدمات میں بھی حصہ لیتے تھے بلکہ عملی سیاسیات میں حصہ لینے سے مدرسہ کی علمی حیثیت کو نقصان پہنچتا رہا اور بسا اوقات وقتی مصالح کے پیش نظر اس کا فائدہ اٹھایا گیا لیکن

مستقل طور پر مدرسہ کی حیثیت مجروح ہوتی گئی، جدید انقلاب میں افسوس کہ بہت شدید ابتلاء کے دور سے گذرے، جیل میں بھی رہے، آخر بہت سے نا قابل برداشت صدمات سے دو چار ہوکر اس دنیا فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔

حق تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے زلات کو عفو فرما کر درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے، آمین۔

[ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ۔نومبر ۱۹۷۶ء]

نواب محمد مسعود علی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ ہمارے محترم کرم فرما جناب عشرت علی قیصر کے والد محترم جناب محمد مسعود علی صاحب طویل علالت کی بعد پنجشنبہ ۷رشوال ۷۹ھ کو واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم کی بعض صفات وکمالات دیکھ کر رشک آتا تھا کہ اس پُرآشوب دور میں قوت ایمان کے ایسے دل کش نمونے موجود ہیں۔ حدیث بخاری شریف میں جن سات اشخاص کے بارے میں لسانِ نبوت سے یہ بشارت سنی تھی اور پڑھی تھی کہ سات اشخاص قیامت کے روز میدان حشر میں عرش عظیم کے سایہ تلے ہوں گے، ان میں ایک شخص کے بارے میں یہ الفاظ ہیں (ورجل قلبه معلق في المساجد) کہ ایک شخص وہ ہے جس کا دل ہر وقت مسجد میں رہتا ہے، (صحیح البخاری) پہلی مرتبہ اس کا مصداق مرحوم کو دیکھا کہ ہر وقت مسجد کی حاضری کی فکر دامین گیر رہتی تھی، نماز پڑھ کر آتے ہی دوبارہ دوسری نماز کی فکر کا شدید تقاضا شروع ہوجاتا، بیماری اور بے ہوشی کے عالم میں بھی مسجد جانے کی فکر اور تقاضا رہا، اس آخر عمر میں مسجد بہت پہلے پہنچتے تھے، خود اذان اقامت کی خدمت انجام دیتے تھے، دوسری قابل غبط بات یہ دیکھی کہ ہر وقت زبان پر ذکر اللہ جاری رہتا۔ حدیث نبوی میں ہے ''لاتزال لسانك رطباً من ذكر الله'' (سنن الترمذی) کہ تمہاری زبان اللہ کی یاد سے ہر وقت تر وتازہ رہے، اس حدیث کا مصداق آپ کی ذات گرامی کو دیکھا۔

حق تعالیٰ درجات عالیہ جنت الفردوس میں نصیب فرمائے اور بال بال مغفرت فرمائے اور اس جانکاہ حادثہ میں ہمارے کرم فرما قیصر صاحب کو اور ان کی بقیہ اولاد کو صبر جمیل اور اجر جزیل نصیب فرمائے اور تمام پسماندگان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

[ذوالقعدہ ۱۳۹۷ھ]

مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ سال ۱۳۹۶ھ کے اختتام پر کئی اکابر کی وفات کے حوادث پیش آئے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی (دارالعلوم دیوبند کے مفتی اور پاکستان کے مفتی اعظم، تلمیذ امام العصر مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ ومجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) نے سفر آخرت اختیار کیا، جناب عارف باللہ بابا نجم احسن صاحب مجاز صحبت حضرت حکیم الامت تھانویؒ واصل بحق ہوئے اور حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا نیاز محمد بنوی (بانی دارالعلوم الاسلامیہ، لکی مروت ضلع بنوں) راہی دار آخرت ہوئے، رحمهم الله جميعاً واسكنهم الله دار النعيم۔

حسرت وافسوس ہے کہ سال ۱۳۹۷ھ کے آغاز پر دو حادثے پیش آئے: ایک حادثہ یہ کہ مولانا محمد احمد تھانوی (برادر خورد حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی) نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم عالم تھے، فاضل تھے، جامعہ اشرفیہ سکھر کے بانی و مہتمم تھے اور مادہ ہائے تاریخی کے استخراج میں یکتائے وقت تھے، ان دو تین سالوں میں بڑے بڑے واقعات وحوادث اور وفیات کے تاریخی مادے نکالنے میں مرحوم نے اپنے جوہر دکھائے۔ کسے کیا معلوم تھا کہ یہ تاریخ نگار جو ۱۳۹۶ھ کے اختتام تک اکابر کے تاریخی مادے نکالتا رہا وہ سال نو (۱۳۹۷ھ) کے بالکل

آغاز میں ۷ رمحرم کو خود سال نو کی تاریخی شخصیت بن جائے گا، یہ عبرت کدہ عالم کے تاریخی بصائر ہیں جو چشم بصیرت کے لیے درس عبرت ہیں اور آنسو بہانے کے لیے سامان حزن وملال:

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی
نہ ابتداء کی خبر، نہ انتہا معلوم

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی ذریت کو ان کا خلف الصدق بنائے، آمین۔

مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

دوسرا حادثہ مولانا عبدالماجد دریابادی مدیر ''صدق'' کی وفات کا ہے، مرحوم نے صرف عمر طبعی پوری نہیں کی بلکہ تقریباً ایک صدی مراحل عمر طے کر کے سفر آخرت پر روانہ ہوئے، مرحوم ایک مفکر، صاحب بصیرت، فلسفی مزاج، حقیقت آگاہ شخصیت تھی، آخری ساٹھ سالہ زندگی کا شاید ایک لمحہ بھی مرحوم نے ضائع نہیں کیا۔ ہماری نگاہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے بعد پہلی شخصیت ہے جس نے نظم وضبط کے ساتھ تمام علمی مشاغل جاری رکھے جس میں کوئی خلل نہیں آنے دیا۔ اردو میں مخصوص ادبی اسلوب کے مالک تھے اور ایک خاص طرز انشاء کے ممتاز ترین ادیب تھے اور متحدہ ہندوستان میں جو ممتاز ارباب قلم گذرے ہیں ان میں سے ایک ممتاز فرد تھے، احادیث اور قرآنی آیات سے اصلاحی نکات کے استنباط کا اچھا سلیقہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا تھا، مرحوم رسمی عالم نہ تھے لیکن باوجود اس کے اپنی علمی صلاحیت سے بڑا کام لیا، قرآن کریم کی تفسیر تین جلدوں میں لکھی اور عربی دان طلبہ پر یہ بڑا احسان کیا کہ عربی تفسیر کی اصلی عبارتیں سب نقل کر دیں۔ رسمی عالم نہ ہونے کی وجہ سے اور ارباب کمال اور ارباب علوم نبوت سے راسخ صحبت کے نہ ہونے سے عقیدے میں پختگی نہ آسکی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت ورحمت سے نوازے اور سیئات وزلات سے درگذر فرما کر خادمانِ دین کی صف میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔

[صفر المظفر ۱۳۹۷ھ۔فروری ۱۹۷۷ء]

حکیم عبدالسلام صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

افسوس کہ مورخہ ۲ر صفر ۹۷ھ، ۲۲ر جنوری ۷۷ء ہمارے کرم فرما مخلص دوست جناب حکیم عبدالسلام صاحب ہزاروی مختصر علالت کے بعد ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم سے میری پہلی ملاقات ۱۹۳۲ء میں ہری پور میں ہوئی جب کہ مرحوم میر پور میں سکونت پذیر تھے (ہری پور کے مضافات میں ایک چھوٹی سی بستی تھی) اس وقت مرحوم ''پیغام سرحد'' ایک ہفتہ وار اخبار میں طبع آزمائی کرتے تھے، مرحوم نہایت باوقار، سنجیدہ، بااخلاق صحیح العقیدہ، صحیح المسلک تھے، اکابر دیوبند و دہلی سے وابستہ تھے، سیاسی ذہن حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا تھا، اسی پلیٹ فارم پر سیاسی خدمات انجام دیا کرتے تھے اور متعدد بار قید و بند کا نشانہ بنے لیکن پائے استقامت کو کبھی لغزش نہیں ہوئی، علماء اور فضلاء سے ملاقات میں بہت مسرت اور روحانی کیف محسوس کرتے تھے اور ان کا مکان انہی علماء و فضلاء کا مہمان خانہ تھا۔ اچھے خاصے طبیب تھے، مرحوم مولانا حکیم اجمل خان صاحب سے طبی استفادہ بھی کر چکے تھے اور ان سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا، آخری حیات میں بھی طب یونانی معاشی ذریعہ تھا، لیکن چونکہ دماغ سیاسی تھا باوجود طبی مشاغل کے سیاسی افکار سے کبھی فارغ نہیں رہے، پاکستان میں جب یونانی طب کو باقاعدہ بنانے کی لیے نیم سرکاری ادارہ ''آل پاکستان طبی بورڈ''

قائم ہوا مرحوم اس کے چیئرمین مقرر ہوئے اور ملک کے طول وعرض میں دورے کرنے پڑے اور طبی امتحانات لیتے رہے اور سرٹیفکیٹ جاری کرانے میں نیک نیتی اور حسن اخلاق کا ثبوت دیتے رہے، مرحوم خوش روح، ہنس مکھ، خوش مزاج تھے اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے:

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے اور حسن عقیدہ اور حسن کردار کی برکات سے مالا مال فرمائے۔ امید ہے کہ مرحوم کے صاحبزادے مولوی عبدالرشید ان کے صحیح جانشین ثابت ہوں گے اور جناب طارق صاحب بھی ان کے نام کو روشن کریں گے۔

[ربیع الاول ۱۳۹۷ھ - مارچ ۱۹۷۷ء]

مولانا سید محمد زکریا بنوری رحمۃ اللہ علیہ

(والد ماجد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ)

آہ! میرے والد محترم: إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

رفتم و از رفتنِ من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

۲۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ، مطابق ۵ جون ۱۹۷۵ھ یوم الخمیس (وما ادراك مایوم الخمیس) کی تاریخ میری زندگی کا دوسرا بڑا عظیم حادثہ ہے، اس ستر سالہ زندگی میں پہلا حادثہ کبریٰ امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ (متوفّٰی ۳/صفر ۱۳۵۲ھ) کا سانحۂ وفات تھا، یہ دوسرا حادثہ کبریٰ میرے والد حضرت مولانا سید محمد زکریا صاحب کا وصال ہے۔

یوں تو زندگی میں بے شمار حوادث اور حوصلہ شکن واقعات، صبر آزما سوانح پیش آئے لیکن یہ دو عظیم حادثے بلاشبہ ایسے پیش آئے کہ صبر وشکیبائی جواب دے چکی ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا حادثہ اس وقت پیش آیا جب کہ عالمِ شباب تھا، برداشت کی طاقت تھی لیکن حضرت والد کے وصال کا یہ دردناک سانحہ اس وقت پیش آیا کہ جوانی کی طاقتیں جواب دے چکی ہیں اور

سیدہ فاطمہ مرحومہ کی جدائی کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے، نیز اس سے قبل دو اڑھائی سال میں یکے بعد دیگرے مخلصین واحباب علماء وفضلاء کی رحلت، رفیقہ حیات کی جدائی، غرض مسلسل صدمات نے نڈھال کر دیا تھا۔

حقائق اور وجدانی کیفیات کے لئے الفاظ وتعبیرات کا دامن بہت تنگ ہوتا ہے۔حقائق کی تعبیرات سے الفاظ ہمیشہ قاصر رہتے ہیں اور پھر اس مبالغہ آمیز دنیا میں کسی حقیقت کی صحیح ترجمانی کا حق ادا ہونا بے حد مشکل ہے۔

یوم الخمیس ۲۴/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ دن کے پونے دس بجے چند روز کی شدید کرب وبے چینی کے بعد میرے والد محترم، میرے آقا، میرے آغا جی، میرے مربی، دنیا میں میرے ماویٰ، میرے ملجا، دنیائے اسلام کی متاع گرانمایہ، جہانِ علم وعمل کے جوہر آبدار، ایمان وعرفان کی عظیم ترین شخصیت اس عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئی، جس کے لئے وہ مہینوں سے بیتاب تھے اور آخر چشم زدن میں عالم غیب کی طرف روح لطیف نے پرواز کی، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

ان کا وجود ہمارے لئے سایہ رحمت الٰہی تھا، حق تعالیٰ کی ایک عظیم ترین نعمت تھی، دعواتِ نیم شبی اور نالہ ہائے سحری کا ایک سرچشمہ تھا جو خشک ہوگیا، ہمارے سکون قلب کا ذریعہ تھا جس سے ہم محروم ہو گئے۔ والد محترم کی وفات حسرت آیات صرف ایک والد کی مرثیہ خوانی نہیں بلکہ علم وعرفان کا مرثیہ ہے، ایک صاحب کرامات وخوارق عارف باللہ کا ماتم ہے، ایک محقق روزگار کا نوحہ ہے، ایک فیلسوف عصر کا غم ہے، ایک اولوالعزم وجود کی جدائی پر اظہار حزن ہے، مجاہدات وریاضات میں مصروف رہنے والی عظیم شخصیت کا دردوالم ہے، ایک صاحب کمال معبّر کا نوحہ ہے، ایک باخدا صاحب مکارم اخلاق، جود وسخا، ہمت وشجاعت کا نالہ وشیون ہے، ایک گوشہ نشین

صوفی، صاحب صدق وصفا کی جدائی وفراق کا دردوغم ہے، ایک عاشق رسول کا دردو اضطراب ہے، اسرار کائنات کے دانائے راز کی گریہ وزاری ہے، حقائق ومعارف کے عالم کی مرثیہ خوانی ہے، شریعت اسلامیہ کے یگانہ روزگار فاضل کا نالہ فریاد ہے، طریقت وحقیقت کے واقف رموز کا حزن وغم ہے۔

والد ماجد کیا تھے؟ ایک گمنام ہستی! جس نے ایک عالم اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا، شفیق بلخی، ابراہیم ادھمؒ، بایزید بسطامیؒ، سری سقطیؒ، معروف کرخیؒ، جنید بغدادیؒ کے احوال ومواجید تو دنیا نے پڑھے ہیں لیکن اس فقیر بے نوا کی شاہانہ پرواز کی کس کو خبر؟ تقلیل کلام، تقلیل منام، تقلیل اختلاط مع الانام کے واقعات تو آپ سن چکے ہوں گے لیکن اس مجاہدِ زمانہ کے احوال حیرت افزا کی دنیا کو کیا خبر؟ عنفوانِ شباب ہی میں تقلیل خوراک کی جب ریاضت شروع کی تو روزانہ صرف ایک مثقال خوراک یعنی ساڑھے تین ماشے غذا پر سالہا سال زندگی بسر کی، پندرہ دن میں بمشکل اجابت کی ضرورت پڑتی تھی، رویائے صادقہ ومبشرات کا جب سلسلہ شروع ہوا تو سولہ سال کی عمر سے بیس سال تک سو مرتبہ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بابرکت سے شرف یابی ہوئی اور ہر دفعہ زیارت مبارکہ میں ارشادات وہدایات، تلقین اذکار، نصائح عالیہ سے سرفرازی ہوتی تھی۔ ''اویسی'' نسبت کے وہ کمالات نصیب ہوئے کہ عقل حیران ہے، رویائے صادقہ اور مبشرات کا سلسلہ آخری عمر تک جاری رہا۔ اذکار واشغال ومجاہدات کا اتنا غلبہ ہوا کہ عہد کیا کہ تمام زندگی اپنے پروردگار کی عبادت ومناجات میں گذاروں گا۔ آپ کے والد مرحوم حضرت سید میر مزمل شاہ رحمہ اللہ کا وصال ہو گیا تھا، والدہ مکرمہ حیات تھیں، جن کا اصرار تھا کہ ازدواجی زندگی اختیار کریں، لیکن عزمِ عبادت وطاعت کے منافی سمجھ کر انکار کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک خواب میں یہ حقیقت واضح کردی گئی کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فلاں بی بی سے فلاں خاندان میں عقد

نکاح باندھ رہے ہیں، اس رویائے صالحہ کے بعد انکار ختم ہوگیا اور ازدواجی زندگی میں قدم رکھ ہی لیا اور اس رویائے صادقہ کی تعبیر اس طرح صادق آ گئی۔ مرشد کامل کی تلاش وجستجو کے لئے جب استخارہ کیا تو خواب دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ اچھا تم ٹھہرو، میں حق تعالیٰ شانہٗ سے پوچھ کر آتا ہوں، چنانچہ اس ساری حقیقت کا معائنہ خواب میں ہورہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جاتے ہیں اور تشریف لاتے ہیں اور ارشاد ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جس قسم کی شخصیت کو تم چاہتے ہو وہ نہیں ملے گی لیکن تمہیں صبر نہیں آئے گا جاؤ تلاش کرو، چنانچہ ۱۹۰۶ء کے آخر میں یہ سفر شروع ہوا، بنور، سرہند، دہلی بارگاہ سلطان الاولیا اور اجمیر خواجہ چشتی کی بارگاہ سے گزرتے ہوئے شاہ جیلاں کے دربار بغداد پہنچے اور ہر جگہ ہر مقام پر چلّے اور اعتکاف ومراقبات ومکاشفات کا سلسلہ جاری رہا۔ مہینوں اس طرح بادیہ پیمائی کی، اس درمیان عجیب وغریب واقعات اور حیرت انگیز مبشرات پیش آتے رہے، واپس آ کر تمام ہندوستان کی بادیہ پیمائی کر کے ناسک (صوبہ بمبئی) کے جنگل میں شیروں اور چیتوں کے درمیان تکمیل ریاضات کے لئے ڈیرہ ڈال دیا، ایک مرتبہ ۸/ ماہ اور دوبارہ ۹/ ماہ کی گوشہ نشینی اختیار کر کے چنوں اور پتوں پر گذارہ کیا۔

لایزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی کنت سمعه الذی یسمع بي وبصره الذی یبصر بی...الخ [صحیح البخاری، کتاب الرقاق،باب التواضع]

کبھی بندہ بارگاہِ ربوبیت میں عبادت کرتے کرتے اس مقام کو پہنچ جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کے کان سے سنتا ہے اور اسی کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث پڑھی ضرور تھی لیکن اپنے زمانہ میں اس کا مصداق اپنے والد کو پایا، چنانچہ ان ریاضات ومجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انعام واکرام سے مالا مال فرمایا، قلب

میں بے پناہ قوت ودیعت کردی گئی، شدید بارش کے وقت قلب کی طرف توجہ فرماتے اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرتے، اس کا اثر یہ ہوتا کہ ایک مربع میل میں موسلا دھار بارش نہیں ہوتی تھی۔ آفتاب کی شعاعوں کی تمازت جب نا قابل برداشت ہوتی تھی تو خواہش ہوتی تھی کہ بادل سایہ فگن رہیں، شیروں اور چیتوں کی آوازوں سے جب جنگل گونجنے لگتا تو قلب کی توجہ کانوں کی طرف مبذول ہوجاتی اور ایسا محسوس ہوتا کہ کان کسی آواز کو نہیں سن رہے ہیں، ان مجاہدایت وریاضات نے دل کی دنیا یکسر بدل کر رکھ دی تھی، علم وآگہی، فکر وشعور کا ایک بحر بیکراں قلب میں موجزن تھا، جب کسی مسئلہ پر غور شروع کرتے تو مشاہدہ ہوتا کہ میلوں طویل کاغذات سامنے پھیلے ہوئے ہیں اور ابتداء سے لے کر آخر تک ساری تحقیقات آنکھوں کے سامنے ہیں، جو حق ہوتا وہی دل میں راسخ ہوجاتا، غرض فطرت کی اس تربیت گاہ میں جو حالات وواردات پیش آئے قلم کو یارائے بیان نہیں۔ فرماتے تھے کہ ان دنوں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کا خاص فضل میرے شامل حال ہے، جو دعا قلب کی زبان سے نکلتی بارگاہ ایزدی سے خلعت قبول لے کر آتی۔

جب علم توجہ اور علم استحضارِ ارواح ''اسپریچوویلزم'' میں قدم رکھا تو روحانی قوت کے وہ کرشمے دیکھے اور عالم ارواح کے وہ عجائبات منکشف ہوئے کہ عقل حیرت میں ہے۔ جب سلب امراض کا ارادہ کیا تو اس درجہ کمال حاصل ہوا کہ بمجرد ارادہ مریض بالکل تندرست ہوکر بیٹھ جاتا تھا کہ جیسے کوئی مرض ہی نہیں۔ جب علم اسرار الحروف وعملیات وتعویذات کی وادی میں قدم رکھا تو اس فن کی ادق کتابیں ''شمس المعارف'' امام بونی کی وغیرہ ازبر تھیں۔ طب کی طرف جب توجہ ہوئی تو افغانستان میں ایسے محیر العقول علاج کئے کہ جرمنی، فرانس، لندن وامریکہ سے مایوس العلاج مریض آتے اور ان کے علاج سے شفایاب ہوتے، بارہا اس قسم کے مریضوں کا علاج کیا اور حیرت انگیز مسیحائی دکھائی۔ تجارت کا شوق ہوا تو چین سے سبز چائے اور جاپان سے میناری گری اور

کنلیری کا سامان منگوا کر پشاور شہر بازار گھنٹہ گھر میں ہول سیل کی دکان کر کے تاجروں کو پیچھے دھکیل دیا۔ ٹھیکیداری کا خیال ہوا تو کابل میں بڑے بڑے ٹھیکے لئے یہاں تک کہ امیر امان اللہ خان والیٔ افغانستان کے لئے سب سے پہلے جس نے ہوائی جہاز خریدے وہ حضرت والد ماجد ہی تھے، جس کا پانچ لاکھ روپیہ آج بھی ہمارا قرض افغان گورنمنٹ کے ذمے باقی ہے جو امیر امان اللہ خان کے تخت سلطنت سے محروم ہونے کے بعد طوائف الملوکی کی نذر ہو گئے، یہ واقعہ ۱۳۴۵ھ کا ہے۔

حیدر آباد دکن اور بہاول پور میں بڑے بڑے ٹھیکے لئے، بہاول پور میں آج بھی متعدد نہروں کے پل ان کی یادگار ہیں۔ زراعت کا شوق ہوا تو افغانستان کے مشرقی علاقے مقام گجنۂ خوگیانی ضلع جلال آباد میں۔ جہاں حضرت والد ماجد کی ننہال سرداران محمدزیٔ آباد تھے۔ زمین خریدی، اپنے ہاتھ سے انار بیدانہ کے شاخیں اور پودے لگائے جو بعد میں اس علاقے میں بیدانہ انار کا اعلیٰ ترین باغ شمار کیا گیا لیکن چھ ماہ کے اندر ہی سب کو ختم کر کے کابل میں اقامت گزیں ہوئے۔ جب کبھی کچھ کمایا اور ہزاروں کمایا گھر آ کر بیٹھ گئے دو چار ماہ میں سب مال و دولت ٹھکانے لگا دیا، کسی کا مکان بنوا دیا، کسی کی شادی کرا دی، جب سب کچھ خرچ ہوا دوبارہ فکر کرنے لگے۔ الغرض اتنی انقلاب انگیز اور ہنگامہ خیز زندگی کسی کی نہ دیکھی نہ سنی اور کمال یہ ہے کہ ان کمالات میں سے کسی بھی کمال کو نہ پیشہ بنایا نہ ذریعہ معاش اور نہ کوئی اہمیت دی، سیلاب آیا اور گذر گیا۔ اکثر زندگی فقیرانہ گذاری، لیکن مہمانداری اور مہمان نوازی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت تھی جو ورثہ میں ملی تھی، ہزاروں لاکھوں کمائے لیکن میرے علم میں نہیں کہ کبھی زکوٰۃ واجب ہونے کا موقع آیا ہو:

قرار در کف آزادگان نگیرد مال
نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال

بے شمار مخلوق خدا کے ساتھ احسانات کئے مگر کیا مجال کہ کبھی دل میں اس کا خطرہ بھی گذرا ہو یا زبان پر کبھی ذکر آیا ہو، ان سب کمالات وکرامات میں سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ آپ نے اپنی ہستی کو ایسا مٹا کے چھوڑا کسی کو ان باتوں کی ہوا بھی نہ لگنے دی، آخری زندگی میں کوئی معاش کا ذریعہ اختیار نہیں کیا سب چیزوں کو بالکلیہ ترک کر دیا اور یاد خدا میں مسلسل تیس برس گذارے اور حق تعالیٰ نے راقم الحروف کو خدمت کی سعادت نصیب فرمائی۔ ذٰلك من فضل الله علينا وعلى الناس ولكن أكثر الناس لا يشكرون۔

اصحاب کمال کے بڑے قدر دان تھے، کسی کی بات پسند آ جائے اتنی داد دیتے کہ حیرت ہوتی تھی، باوجودیکہ مزاج جلالی تھا لیکن ہر وقت خوش مزاج خوش طبع نظر آتے تھے۔ جس مجلس میں موجود ہوں سکون و وقار کے ساتھ پوری مجلس کی رونق ان سے ہوتی تھی، مزاج آخر تک علمی رہا اور علمی موشگافیوں کی بڑی قدردانی فرماتے تھے۔ ابتدائی عہد تعلیم ہی سے ہی کتابوں پر تعلیقات وحاشیہ نویسی کا شغل رہا، میر ایساغوجی جدیدہ اور شرح حاجی گلستاں بوستاں پر ان کی تعلیقات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے، خط اتنا پاکیزہ کہ موتی ٹنکے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ خوش نویسی ایسی کہ بسا اوقات ان کے خطوط پر خصوصاً ابتدائی دور کے خطوط پر کسی ایرانی خوشنویس کا شبہ ہونے لگتا ہے، حساب میں اتنی مہارت کہ حیرت ہوتی تھی، حالانکہ تعلیم جدید مڈل سے زیادہ نہ تھی لیکن مہارت ایسی کہ آج کل کے ایم اے کو نہ ہو، علمی مشغلہ عرصے سے متروک ومہجور تھا لیکن معلومات تازہ۔

ایک دفعہ ۱۳۴۶ھ میں دیوبند حضرت امام العصر مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی غرض سے تشریف لائے، ان دنوں حضرت شیخ مجھے اپنی کتاب ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' پڑھاتے تھے، درس میں بیٹھ گئے اور تقریر سنتے رہے، اس وقت اتفاق سے علم

کلام کا ''مسئلہ خلق افعال عباد'' جو مشکل ترین مسئلہ ہے زیر بحث آیا، شیخ نے تقریر فرمائی اور مشکلات سلجھاتے رہے، درمیان میں حضرت والد صاحب سوالات کرتے رہے، حضرت شیخ جوابات دیتے رہے، فراغت درس کے بعد حضرت شیخ نے دریافت فرمایا: حضرت! علمی مشغلہ کب سے متروک ہے؟ فرمایا: پچیس برس ہوئے، حضرت شیخ نے بہت تعجب سے سنا اور پھر مختلف مجالس میں بارہا فرمایا کہ ''ان کے والد کا علمی مشغلہ پچیس سال سے متروک ہے لیکن معلومات عمدہ اور تازہ ہیں''۔ امام العصر جیسے علمی سمندر کی یہ داد کتنی وزنی ہے۔

امام غزالیؒ و امام رازیؒ کے عاشق تھے، ابن تیمیہؒ و ابن القیمؒ کے قدردان تھے اور ان کی تبحر علمی کی داد دیا کرتے تھے۔ شیخ ابن عربی، شیخ اکبر کے انتہائی مدح سرا تھے، مولانا روم کی مثنوی کی علمی مشکلات کی تمثیلات کے بے حد قدردان تھے اور کشف حقائق میں ان کو بے نظیر سمجھتے تھے۔

عربی، فارسی اردو تینوں زبانوں میں عمدہ مصنف تھے، ''مطالع الانوار فی فضائل أهل بیت النبی المختار'' عربی میں اور ''إیضاح المشکلات'' اردو میں جس میں وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود وغیرہ مشکلات تصوف اور مشکلات کلام پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں، دو ضخیم جلدوں میں تحریر فرمائی۔ اپنے خوابوں کو جمع کیا ہے، ''المبشرات'' نام رکھا اور تعلیقات میں ان کی تعبیرات ''عبیر المسرات'' کے نام سے لکھی ہیں۔ روح و نفس کا مقالہ مجلس علمی نے طبع کرا دیا ہے۔ فرماتے تھے کہ مجھے صرف تین چیزوں سے محبت ہے: (۱) اللہ تعالیٰ سے (۲) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (۳) اپنی خوابوں سے۔ فرماتے تھے کہ خوابوں سے اس لئے محبت ہے کہ ان میں حق تعالیٰ کا دیدار ہے اور یا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہے۔ فرماتے تھے اگر شرعاً جائز ہوتا تو میں اپنے ان خوابوں کو اپنے ساتھ قبر میں دفن کرنے کا حکم دیتا۔ پھر مجھے ان کی حفاظت کی انتہائی وصیت فرمائی۔

الغرض دنیا میں نہ کسی کمال کو چھوڑا، نہ کسی پیشے کو چھوڑا اور سب سے بڑا کمال یہ کہ کسی

کمال کو کمال نہ سمجھا، نہ دل اس میں لگایا، البتہ فرمایا کرتے تھے کہ جو احسانات حق تعالیٰ نے مجھ پر کئے وہ اس دور میں کس پر کئے ہیں؟ وہ بہت سے ادوار ہیں۔ عربی شاعر نے صحیح کہا ہے:

أتزعم انك جرم صغير
وفيك انطوى العالم الاكبر

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم چھوٹے سے جسم ہو حالانکہ تم میں تمام عالم اکبر سمٹ گیا ہے۔

کوئی اور عربی شاعر یوں گویا ہوا:

ليس على الله بمستنكر
أن يجمع العالم فى واحد

حق تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ تمام عالم کو کسی ایک فرد واحد میں جمع کرے۔

امام بخاریؒ سے خواب میں پوری صحیح بخاری پڑھ کر اجازت لی اور حافظ بدرالدین عینیؒ سے عمدۃ القاری اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے فتح الباری پڑھ کر اجازت لی۔ ایک دفعہ افغانستان میں امیر نصر اللہ خان نائب السلطنہ کابل کا ترکہ فروخت ہورہا تھا اس میں حضرت والا نے ایک ''سموز'' کے پوستین کو ۱۴ ر ہزار افغانی روپیہ سے خریدا (مساوی ۱۰ ر ہزار روپیہ ضرب برطانوی) رات کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، محبت آمیز لہجہ میں عتاب فرمایا کہ جب تمہارے پاس دولت ہوتی ہے تو ایسا اسراف کرتے ہو کہ ہزاروں کا پوستین خریدتے ہو، ایک شخص آئے گا تمہارے پیٹ میں چاقو مار کر تمہاری آنتیں نکالے گا اور صاف دھو کر پھر رکھ دے گا اور سینہ سی دے گا، یہ شخص نورانی ہوگا اور اس کا چاقو بھی نورانی ہوگا۔ ایک دفعہ ایک بلی پال رکھی تھی، اس نے جگہ ناپاک کردی، اس کو مارا گھر سے نکال دیا، رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت ہوئی، عتاب فرمایا کہ تم نے کیوں بلی کو مارا؟ کیا وہ عقل وشعور رکھتی ہے؟ خبردار! دوبارہ ایسا نہ کرنا، صبح جاکر بلی کو تلاش کیا اور گھر لائے۔ پڑوس میں ایک نادار نے پانچ روپیہ قرض مانگے، اتفاق سے قرض دینے سے انکار کیا، شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، عتاب فرمایا کہ تم نے سائل کو کیوں روپے نہیں دیئے؟ جاؤ اس کے گھر دے کر آؤ۔ غرض اس طرح عجیب وغریب روحانی تربیت وعظیم ترین تعلق کا سلسلہ قائم تھا۔ کتنے مبشرات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے انتہائی محبت اور وہ تعلق تھا جس کی نظیر عالم میں کم ملے گی۔ ایک دفعہ بیمار ہو گئے تھے، خواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکریا! جب تم بیمار ہوتے ہو تو' میں بھی بیمار ہوتا ہوں، جب تمہارے سر میں درد ہو تو میرے سر میں بھی درد ہوتا ہے۔ اس قسم کے حیرت انگیز منامات اور مبشرات کتنے ہیں۔ ایک دفعہ وسوسہ دل میں آیا کہ سکرات موت میں کیا حالت ہوگی؟ شیطان بہت پریشان کرے گا، خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی فرمایا کہ ''جہاں میں ہوں شیطان کا کیا کام''؟ وفات سے چندروز قبل میں حسب معمول اذان فجر سے کچھ قبل یا بوقت اذان رات کی حالت معلوم کرنے پہنچا فرمایا: آ گئے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں! فرمایا آج حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیارت ہوئی، پادشاہ خاں (خادم خصوصی جو آخری وقت شب وروز خدمت کرتا تھا اور بے انتہا راحت پہنچاتا تھا) کو فرمایا: اے پادشاہ خان! جو خدمت تم کر رہے ہو میں بھی کرتا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا مقام تھا۔ حق تعالیٰ کی زیارت کا شرف تو بے شمار مرتبہ حاصل ہوا، ایک دفعہ جب دیدار پُرانوار کی سعادت نصیب ہوئی، حق جل ذکرہٗ نے فرمایا: ''زکریا! تمہاری مثال میرے سامنے ایسی ہے جیسے کہ ایک ماں کے گود میں دو تین دن کا بچہ ہو، بچہ نہیں جانتا کہ ماں اس کے ساتھ کیا کیا کر رہی ہے''؟ ان ہی ایام میں خواب دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی سے

کہتے ہیں: کہ یارسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ حق تعالیٰ کرسی پر جلوہ گر ہیں اور میں ان کا طواف کررہا ہوں، جب یہ بیان شروع کیا وہی صورت وحالت سامنے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب کی تعبیر دے رہے ہیں۔ مجھے تو معلوم نہیں کہ آج تک کبھی کسی نے اس انداز کے مبشرات کی سعادت عظمیٰ حاصل کی ہو۔

بچپن سے دادی اور پھوپی سے سنا کرتا تھا کہ تمہارے والد کی عمر سوسال ہوگی، جب کہ راقم الحروف کی عمر پانچ برس کی تھی یعنی اب سے ٹھیک ۶۵ ر برس قبل گھر میں سنا اور ایک دفعہ خود بھی فرمایا کہ میری چھوٹی ہمشیرہ ''مریم'' نے ایک دفعہ جب اس پر حالت طاری ہوئی، میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ زکریا! تمہاری عمر سوسال ہے سوسال۔ وہ صاحبِ خوارق وکرامات تھی، واردات واحوال غریبہ طاری ہوتے تھے، اس حالت میں جو بات کہتی تھی یقینی ہوتی تھی، بچپن سے دونوں بھائی بہن کا آپس میں خونی رابطہ سے زیادہ روحانی رابطہ تھا، مکاشفات وواردات میں جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی تھی ایک دوسرے کے لئے سفارش کرتے تھے، ان کا معاملہ فطری تھا، بغیر سابقہ ریاضات کے حالات طاری ہوتے تھے، والد صاحب کا معاملہ ریاضات کے بعد شروع ہوا، دوسری بڑی ہمشیرہ یعنی میری عمہ نے مجھ سے فرمایا کہ ایک دفعہ شب قدر نصیب ہوئی اور اس کا علم بھی ہوا کہ شب قدر ہے، اٹھیں وضو کیا، نماز پڑھی، سب سے پہلے دعا اپنے بھائی کے لئے کی کہ ان کی عمر سوسال ہو، یہ باتیں میں سن چکا تھا، بہر حال! اس انقلاب آفرین زندگی کے تمام نشیب وفراز دیکھ کر آخری حیات طیبہ یادخدا میں بسر کی اور ٹھیک سوسال اپنی حیرت انگیز زندگی کے پورے کرکے اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کر گئے۔ مسکراتے ہوئے نور کے شعلوں میں واصل بحق ہوئے۔ بلاشبہ یہ صدمہ میری زندگی میں عظیم ترین صدمہ ہے۔ جب سید البشر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جن سے بڑھ کر استقامت وصبر کا

پہاڑ مادر گیتی نے نہیں دیکھا نہ کبھی دیکھے گی، سیدنا ابراہیمؓ اپنے جگر گوشے کی وفات پر یوں نغمہ سرا ہیں: ''العين تدمع والقلب يحزن وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون'' حضرات صحابہ کرامؓ پر جو صبر واستقامت کے پہاڑ تھے، حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کیا کیا کیفیتیں طاری ہوئی تھیں۔

اے اللہ! ہم تو ضعیف وناتواں ہیں، ہمیں صبر عطا فرما، اور اے اللہ! اس حادثہ جانکاہ اور روح فرسا میں ہماری اعانت فرما کر احسان فرما۔

اور اے اللہ! میرے والد محترم کے مرقد مبارک کو روضۃ من ریاض الجنۃ بنا، اور ان کی روح پاک کو اعلیٰ علیین میں پہنچا کر اکرام واعزاز فرما اور اے اللہ! ان کا مسکن وماویٰ جنت الفردوس کو بنا، اور اے اللہ! ان سے وہ معاملہ فرما جو تیری شان ارحم الراحمین کے شایانِ شان ہو، اور اے اللہ! آپ کا معاملہ جو محبوبان بارگاہ رحمت سے ہے اور جو مقربین بارگاہ قدس سے ہے وہ معاملہ فرما۔ اے اللہ! جس طرح آپ نے اپنی ذات سے اور اپنے حبیب پاک سے دنیا میں جو نسبت ان کو عطا فرمائی تھی آخرت میں اسی کے شایان شان رفع درجات وعلو مقامات نصیب فرما، جن کے بارے میں یہی کہا جائے ''مالا عين رأت ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر''۔

اور اے اللہ! جس طرح ان کا آپ پر حسن ظن تھا اس کے مطابق معاملہ فرما اور اے اللہ! جس چیز کو ہم نہ جانتے ہیں اور نہ اسے اپنے جہل سے مانگ سکتے ہیں ان کو وہ نعمتیں نصیب فرما کر سرفراز فرما۔

اور اے اللہ! جس طرح آپ نے ہمیں ان کی حیات طیبہ میں دعوات سحری اور نالہائے نیم شبی کے برکات سے سرفراز فرمایا تھا، مفارقت کے بعد ان کی روح پرفتوح کی برکات سے مالا مال فرما کر سرفراز فرما، تیری رحمت بہت وسیع ہے اور تیری قدرت بہت محیط ہے، اور اے اللہ!

پشاور سے لے کر کراچی تک اور کراچی سے لے کر افریقہ تک اور افریقہ سے لے کر لندن و یورپ تک جن مخلصین و محسنین نے ایصال ثواب کر کے احسان فرمایا ہے اور جو محسنین ایصال ثواب فرمارہے ہیں ان سب کو اجرعظیم عطا فرما کر احسان فرما اور جن کے بے شمار تعزیت کے ٹیلی گرام اور بے شمار خطوط تعزیت آئے ہیں ان سب حضرات کا رفع درجات فرما۔ اور اے اللہ! ہمارے قلب حزیں اور پسماندگان کے قلوب محزونہ کو صبر و سکون عطا فرما کر احسان عظیم فرما۔

فالعيون دامعة والقلوب فاجعة ونحن بفراقه لمحزونون، ولا نقول إلّا ما يرضى به ربنا تبارك وتعالىٰ هذا وصلى الله على خير البشر اصبر من جاء ومن غبر صاحب القبر الاطهر الانور ومن تسكن قلوب المحبين بحبه وبذكره وبفكره، كلماذكر وخطر

[رجب المرجب ۱۳۹۵ھ۔ اگست ۱۹۷۵ء]

نامناسب نہ ہوگا کہ اگر ان خطوط تعزیت میں سے دو تعزیت نامے شائع کروں۔ ایک تعزیت نامہ برادرم محترم مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج کا ہے۔ دوسرا تعزیت نامہ برادر محترم مولانا عبدالقدوس صاحب قاسمی کا جو شعبہ اسلامیات کے سابق صدر پشاور یونیورسٹی کے ہیں۔ وجزاهما الله خيرا بحسن عزائها۔

مخدومی و مطاعی حضرۃ الاستاذ المکرم رزقكم الله صبرا جميلا وعافية كاملة

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ:

ابھی ابھی حضرت آغا جی نور اللہ مرقدہ وأعلی اللہ مقامہ کی وفات حسرت آیات کی خبر ''نوائے وقت'' میں پڑھی۔ جس بات کا اندیشہ تھا آخر ہو ہی گئی۔

انا لله وانا اليه راجعون اللّٰهم اغفرله وارحمه وأنزل عليه شآبيب رحمتك

وبرد مضجعه وأدخله فی أعلی الجنة جنة الفردوس وارزقنا وارزق أهله صبرا جميلا.

اللہ تعالیٰ اس حادثہ کبریٰ میں آپ کو صبر و استقامت عطا فرمائے۔ موت حق ہے، آج وہ کل ہماری باری ہے۔ لیکن حضرت آغا جی رحمہ اللہ تعالیٰ کی موت ایک عصر کا خاتمہ، عالم کی موت، ایک گوشہ نشین محقق، ایک انتہائی بلند پایہ مصنف، ایک باخدا درویش، ایک مرتاض صوفی، ایک عارف یگانہ اور ایک عظیم شخصیت کی موت ہے، جسے زندگی میں زمانہ نے کما حقہٗ نہیں پہچانا اور نہ ان کی وہ قدر کی جیسا ان کا حق تھا۔ لیکن حق یہ ہے کہ علم و عرفان عقل و ذوق کا ایسا آمیزہ مدتوں میں دیکھنے میں آتا ہے:

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

ان کے مجاہدات، ان کی کرامات، ان پر باری تعالیٰ کے مخصوص احسانات و خصائص تو دنیا کی آنکھوں سے اوجھل ہی رہیں گے کہ وہ اس جنس انمول کے دکھاوے سے گرد آلو دنہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کی مرنجان مرنج طبیعت، ان کے گوناگوں فضائل، ان کی محبت، فقیر پر خصوصی نوازشیں، ہر ایک سے بزرگانہ شفقت، دلبرانہ عتاب جب یاد آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے، بہر حال زمانہ نے ایک فرد وحید اور گوہر عجیب کو گم کر دیا۔ جن لوگوں نے حضرت قدس سرہٗ کو بے تکلفی کے عالم میں نہیں دیکھا وہ کیا جانے کہ عالم کس آفتاب نور و برکت سے محروم ہو گیا۔ نہ صرف پشاور، نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اپنے ایک عظیم و بزرگ فرزند سے محروم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کی ہر بشری لغزش و خطا کو ان کے جد امجد، سید السادات، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے معاف فرمائے اور جنت میں اپنے دادا جان

علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔اور آپ کواور عزیز محمد اور جملہ پسماندگان کوصبر جمیل عطا فرمائے اور اس حادثہ جانکاہ میں خود ہی آپ کا مونس وغمگسار رہواور ان کی برکات وفیوض اوران کی روح پرفتوح کے فیضان سے آپ کواور ہم سب کو ہمیشہ مالا مال رکھے۔آمین۔

دل روتا ہے آہ! وہ شفقتیں، بزرگانہ محبتیں، دل نوازیاں، ہمت افزائیاں، عطاووفا کہاں ملے گی،رخصت اے مرددرویش رخصت آہ: الفراق الی یوم التلاق۔

مملو فی الحیاۃ وفی الممات لحق انت احدی المعجزات

علیہ تحیۃ الرحمات تتری برحمات غواد رائحات

صدمہ عظیم ہے، یہ اشکبار اس بارے میں پورا شریک غم ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کی غمگساری فرمائے اور آپ کواس صدمہ اپنی انتہائی نوازشوں اور رحمتوں سے نوازے۔انشاءاللہ کراچی میں حاضری پرتعزیت کی سعادت حاصل کروں گا۔بندہ کے جملہ متعلقین اور آپ کے اور حضرت آغاجی مرحوم کے دسترخوانِ کرم بہت بہت تعزیت اور اظہار غم کرتے ہیں، میرے تمام عزیزوں کی طرف سے پرسۂ غم قبول فرمائے۔

والسلام

شریک غم خاکپائے بزرگان

محمد اشرف

مخدومی المحترم عزی اللہ مصابکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

آغا جی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت آپ کے لئے تو مصاب عظیم ہے، ہم سب منتسبین کو بھی علی تفاوت الدرجات اس حادثہ فاجعہ میں کچھ حصہ ضرور ملا۔ اس عاجز کے بس میں اور تو کچھ نہ تھا صرف دعا ہی تھی۔ اپنے گھر پر چند علما اور احباب ومخلصین کو دعوت دی کہ ان کے ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کریم پڑھا جائے، اور اس وقت سے لے کر اب تک دعاؤں میں یاد جاری ہے، آغا جی رحمۃ اللہ علیہ میں خاندان سادات کے بہت سے آثار نمایاں تھے۔ ان کی ذہانت، جرأت، شہامت، علم، سخا، تقوی، اخلاص، شفقت کس کس وصف کو انسان بھول سکتا ہے، چند دن کی صحبت جو کراچی میں میسر آئی اس میں مجھے شفقت پدری کا سکون محسوس ہوتا رہا۔ یہاں کے مشاغل نے بہانہ بن کر آخری ایام کی دعاؤں سے محروم کر دیا۔ ورنہ کئی دفعہ ارادہ کیا کہ اور کچھ نہ ہو تو کم از کم ایک ہفتہ کے لئے حاضری دے آؤں۔ ان کے وصال کے بعد بھی آج تک اسی حیص بیص میں رہا کہ عریضہ کی بجائے خود ہی حاضر ہو کر شریک تعزیت ہو جاؤں، مگر گرمی کی شدت بڑھتی چلی گئی، اس لئے بالاخر اس عریضہ کی تقدیم لازمی نظر آئی۔

اخبارات میں تا حال روزانہ علماء وطلبہ کی طرف سے مجالس ایصال ثواب کی اطلاعات چھپتی رہتی ہیں۔ یعنی ملک بھر سے تحائف ان کی روح مبارک کو برابر پہنچ رہے ہیں۔ ان کے اپنے اعمال خیر بھی عظیم تھے، ان تحائف کا ازدواج ان کے درجات کو مزید ارفع واعلیٰ کر دے گا۔ واللہ عندہ حسن الثواب۔

آغا جی رحمۃ اللہ علیہ ان آخری ایام میں (جب کہ میں کراچی میں تھا) آپ کا ذکر ہمیشہ بہت احترام ومحبت کے لہجے میں کیا کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جذبات محبت زیادہ

ترقی پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ ان کے جذبات محبت کے ثمرات آپ کی ذات کو اور آپ کے جذبات شوق خدمت اور ادعیہ اخلاص کے ثمرات ان کی روح کو احسن ما یجزی والد عن ولدہ عطا فرمائے۔

حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہٗ نے مولانا محمد ایوب بنوری کے والد مرحوم کی تعزیت کے موقع پر ان کو یہ شعر سنایا تھا، یہ عاجز بھی بزرگوں کی تقلید کے طور پر اس کا اعادہ کرتا ہے:

خیر من العباس اجرك بعده
والله خیر منك للعباس

والسلام

دعا جو

محمد عبدالقدوس

(معرفت شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی)